مردانِ خدا

نام کتاب:.......................... مردانِ خدا

طبع: .... پہلا ایڈشن

تعداد:.............................. ایک ہزار

دیباچہ

تاریخ مذاہب اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے مامورین دنیا کی ہدایت کیلئے آئے اندھیروں کے پجاری ہمیشہ اُن کے خلاف ہو گئے۔شیطان اپنے لاؤلشکر سمیت اُن پر حملہ آور ہوا۔اُن کے ایمان کو آزمایا جاتا رہا اور اس طرح جہاں ایک طرف چشمِ فلک نے ظلم وستم کے دردناک نظارے دیکھے وہاں اہل ایمان ہر قسم کے مظالم کو خدا کی خاطر برداشت کر کے حتّٰی کہ اپنے خون اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے اطاعت و وفا کی لازوال داستانیں رقم کرتے رہے اور اپنے رب کی رضا پہ راضی رہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق یہی تاریخ اُمت محمدیہ کے اِس آخری دور میں دہرائی جانے والی تھی۔ زیرِ نظر کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقا کی قربانیوں اور صبر واستقامت کے واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

روزاوّل سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی جاری ہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی توحید کا درس دے کر اس دنیا میں بھجواتا ہے تو دنیا میں اُن کی مخالفت کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اہل ایمان کے ایمان کو ان ابتلاؤں کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے تو دوسری طرف ان کے مخالفین کے اخلاق کی کمزوری، روحانی دلوالیہ پن، ظلم و جبر اور ان کے روشنی سے دور ہونے اور تاریکیوں میں بھٹکنے کا اظہار ہوتا ہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کے مامورین دنیا میں آئے تو ان کے ماننے والوں کو ہر قسم کی قربانیاں دینا پڑیں ان کی عزتوں سے کھیلا گیا، ان کے اموال کو برباد کیا گیا، ان کے خون کی ہولی کھیلی گئی غرض کوئی ایسا پہلو نہیں ہوتا جس کی قربانی من حیث الجماعت نہ لی گئی ہو۔ ان میں سے بعض ایسے بزرگ بھی ہوتے ہیں کہ وہ اکیلے ہی محض اللہ کی رضا کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں دے جاتے ہیں اور اہل دنیا کو یہ پیغام دے جاتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے، عارضی ہے۔ اصل دنیا اس کے بعد کی ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ وہ دائمی ہے۔

جاودانی زندگی ہے موت کے اندر نہاں
گلشن دلبر کی رہ ہے وادی غربت کے خار

زیر نظر کتاب میں چند ایسے ہی خوش نصیبوں کا ذکر ہے جنہوں نے اس زمانے کے مامور من اللہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو قبول کیا اور اس اخلاص اور بصیرت کے ساتھ قبول کیا کہ پھر اس راستہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو عبور کر گئے۔ اس راہ میں انہوں نے اپنے گھروں کو خیر باد کہا، اپنے اموال سے دست بردار ہوئے، اپنی عزتوں کی پرواہ نہ کی حتی کہ اپنی

جانوں کا بھی نذرانہ پیش کر دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ رفقاء حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے نمونہ کو اختیار کرنے کی طرف جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے......ان کو خدا نے آخری زمانہ کے مامور اور مرسل کا (رفیق) پھر ابتدائی (رفیق) بننے کی توفیق عطا فرمائی اور ان کی والہانہ محبت کے نظارے ایسے ہیں کہ دنیا ایسے نظارے صدیوں میں دکھانے سے قاصر رہے گی پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے نقش قدم پر جماعت کے دوستوں کو چلنے کی کوشش کرنی چاہئے''۔(الفضل: جلد ۲۹: نمبر ۱۹۶)

پس یہ مردانِ خدا، محبوبان بارگاہ الٰہی ہمارے لئے ایک نمونہ ہیں۔ان کے راستوں پر قدم مارنا ہی ہمارے لئے راہ فلاح ہے۔

مولا کریم ان تمام قربانیوں کے تحائف پیش کرنے والوں کو کروٹ کروٹ رحمت نصیب کرے اور ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا رہے جو ان نمونوں پر عمل کریں، سب کچھ قربان کریں مگر اپنے ایمان کی کشتی کو پار لے جائیں۔آمین اللھم آمین۔

امید ہے ہمارے خدام اور اطفال اِن واقعات سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انڈیکس

نمبر شمار	ابتدائیہ	صفحہ نمبر
☆	ابتدائیہ	
۱	حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب	۱
۲	حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب	۱۱
۳	حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی	۱۲
۴	حضرت نواب محمد علی خان صاحب	۲۱
۵	حضرت مولانا شیر علی صاحب	۲۵
۶	حضرت منشی ظفر احمد صاحب	۲۹
۷	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری	۳۲
۸	حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی	۳۴
۹	حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب شرما	۶۲
۱۰	حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری	۷۰
۱۱	حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب	۷۵
۱۲	حضرت مولوی عبداللہ صاحب بوتالوی	۷۸
۱۳	حضرت چوہدری برکت علی صاحب گڑھ شنکری	۸۲
۱۴	حضرت منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی	۸۴
۱۵	حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب	۸۶
۱۶	حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب یادگیری	۸۸
☆	حرفِ آخر	۹۱

(۱) حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہید

نام: حضرت سید عبداللطیف صاحب

قبول احمدیت: آپ ۱۸ نومبر ۱۹۰۲ کو پہلی مرتبہ قادیان تشریف لائے، بیعت کی اور ۱۹۰۳ء میں واپس روانہ ہوئے۔

شہادت: آپ کو ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو کابل میں سنگسار کر کے شہید کیا گیا۔

اولاد: آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔

۱۔ صاحبزادہ سید محمد سعید جان صاحب۔ افغانستان میں ہی حکومت وقت کے مظالم کے نتیجہ میں شہید ہوئے۔

۲۔صاحبزادہ سید عبدالسلام صاحب ۳۔صاحبزادہ سید ابوالحسن قدسی صاحب

۴۔صاحبزادہ سید محمد عمر جان صاحب۔افغانستان میں ہی حکومت وقت کے مظالم کے نتیجہ میں شہید ہو گئے۔

۵۔صاحبزادہ سید محمد طیب صاحب

قربانیوں کا تذکرہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء میں سے حضرت صاحبزادہ شہزادہ عبداللطیف صاحب بھی وہ مبارک وجود تھے جنہوں نے مال کی،عزت کی، جائیداد کی، جاہ و منصب کی حتّٰی کہ جان تک کی قربانی اللہ کی راہ میں پیش کر دی۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے متعلق فرمایا:

’’شہید مرحوم نے میری جماعت کو ایک نمونہ دیا‘‘

حضرت شہزادہ عبداللطیف صاحب افغانستان کے صوبہ خوست میں سید گاہ گاؤں میں

پیدا ہوئے۔ آپ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان جا کر آباد ہوئے تھے۔ آپ کا خاندان بہت بڑی جائیداد کا مالک تھا جو کہ قریباً تیس ہزار ایکڑ تھی۔ آپ کا گھرانہ دینی گھرانہ تھا اور سارے علاقے میں ان کے علمِ دین کی شہرت تھی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حصول علم کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ کئی سال مختلف علماء سے کسب علوم کیا اور پھر واپس جا کر اپنے گاؤں میں قرآن اور حدیث کا درس شروع کیا۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ آپ نے اپنے طالب علموں کے لئے رہائش اور کھانے کا با قاعدہ بندوبست کیا ہوا تھا۔ آپ بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی اپنی لائبریری تھی جس میں دینی علوم پر مشتمل ہر قسم کی ضروری کتب موجود تھیں۔ امیر عبدالرحمٰن جب افغانستان کا بادشاہ تھا تو اس نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی علمی شہرت سن کر آپ کو ملاقات کیلئے کابل بلوایا۔ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کے علمی مقام اور آپ کے وقار سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے ملک میں مذہبی مشوروں کیلئے آپ کو مشیر اور اپنے بیٹے حبیب اللہ خان کا استاد مقرر کیا۔ بعد میں بادشاہ کے کہنے پر آپ نے اپنے بیوی بچے بھی خوست سے کابل بلوا لئے اور یہیں رہنے لگے۔ جب افغانستان کے بادشاہ امیر عبدالرحمٰن فوت ہوئے تو حضرت صاحبزادہ صاحب کے مشورے پر ہی امیر حبیب اللہ خان کو تخت پر بٹھانے کا فیصلہ ہوا تھا اور ۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ کو امیر حبیب اللہ خان کی رسم تاجپوشی آپ ہی کے ہاتھوں انجام پائی تھی۔ اس سے حضرت صاحبزادہ صاحب کے علمی اور ظاہری مقام کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس اعلیٰ مقام پر آپ فائز تھے اور آپ کی کیا شان تھی۔

واعظ و ملا و صوفی و فقیہ

لیک خونش ریخت یک قوم سفیہ

۱۸۹۴ء کی بات ہے کہ افغانستان اور ہندوستان کی سرحدوں کی تعیین کے سلسلہ میں ایک وفد افغانستان سے پشاور آیا تو اس وفد میں حضرت صاحبزادہ صاحب بھی شامل تھے۔ اسی

عرصہ میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خبر ملی تو آپ نے حضورؑ کی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' کے مطالعہ سے یہ جان لیا کہ آپ ہی سچے موعود ہیں۔

شہادت حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب

اب شہزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت کی داستان کچھ اس طرح آگے بڑھتی ہے کہ امیر عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا حبیب اللہ خان امیر بنا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے امیر سے حج پر جانے کی اجازت مانگی۔ امیر نے بخوشی اجازت دی۔ آپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کابل سے روانہ ہو کر بنوں کے راستے ہندوستان آئے۔ اٹک کے قریب حضرت شہزادہ صاحب کی ملاقات ایک احمدی سے ہوئی۔ آپ اسے مل کر اس قدر خوش ہوئے کہ اُسے ایک گھوڑا بطور انعام دے دیا۔ جب آپ لاہور پہنچے تو پتہ چلا کہ طاعون کی بیماری پھیلنے کی وجہ سے اس سال حج پر جانے میں روک پیدا ہو گئی ہے۔

قادیان آمد اور اپنے امام سے پہلی ملاقات

آپ کی قادیان میں آمد ۱۹۰۲ء کے اواخر میں ہوئی۔ شہزادہ صاحب لاہور سے بٹالہ اور بٹالہ سے پیدل چل کر قادیان پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا جس سے بڑھ کر انسان کیلئے ممکن نہیں''۔

حضرت صاحبزادہ صاحب قریباً ساڑھے تین ماہ تک قادیان میں رہے۔

قادیان سے روانگی۔آخری ملاقات

۱۹۰۳ء کے شروع میں جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اجازت لے کر قادیان سے روانہ ہونے لگے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور کچھ اور لوگ بٹالہ کی نہر تک جو کہ قادیان سے قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے شہزادہ صاحب کو الوداع کہنے تشریف لائے۔ جب شہزادہ صاحب کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں گر پڑے اور دونوں ہاتھوں سے حضور کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا میرے لئے دعا کریں۔آپ نے فرمایا اچھا دعا کرتا ہوں میرے پاؤں چھوڑ دیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہ آپ کی آخری ملاقات ہے۔ بہر حال آپ قادیان سے روانہ ہو کر لاہور اور لاہور سے بنوں اور بنوں سے خوست اپنے گاؤں سید گاہ پہنچے۔

کابل جانے سے پہلے آپ نے اپنے شاگرد محمد حسین کو جو اُس وقت افغانستان کی فوجوں کا سب سے بڑا افسر تھا خط لکھا کہ آپ بادشاہ سے میرے کابل آنے کی اجازت لیکر مجھے لکھیں۔ یہ خط آپ کے ایک دشمن نصر اللہ خان جو کہ نائب امیر اور امیر کا بھائی بھی تھا اس کے ہاتھ لگا اس نے یہ خط لیکر بادشاہ کے پاس شکایت کر دی۔ علاوہ ازیں شہزادہ صاحب نے دیگر اعلیٰ سرکاری عہدیداران کو بھی خطوط لکھے تھے وہ خطوط بھی امیر کے پاس بھجوا دیئے گئے۔

بادشاہ نے بڑے بڑے مولویوں کو بلایا اور ان سے رائے لی تو انہوں نے کہا کہ جس شخص کی اس نے بیعت کی ہے وہ تو کافر اور مرتد ہے تب بادشاہ کی طرف سے خوست کے گورنر کو حکم بھجوایا گیا کہ شہزادہ صاحب کو گرفتار کر کے پچاس سواروں کے ساتھ یہاں بھیج دو۔

گرفتاری اور قید و بند

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے عجیب معاملہ ہوتا ہے۔ان سرکاری کارندوں کے پہنچنے سے

قبل ہی آپ نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ مجھے گرفتار کر لیا جائے گا اور اپنے ایک شاگرد احمد نور کابلی صاحب کو فرمایا کہ میری شہادت کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دینا۔ عصر کا وقت تھا جب حاکم خوست کی طرف سے پچاس سپاہی آپ کی گرفتاری کیلئے آئے۔ حاکم خوست آپ کی بہت عزت کرتا تھا اس نے پیغام بھجوایا تھا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں آپ خود آئیں گے یا میں حاضر ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے سردار ہیں میں خود چلتا ہوں۔ گھر سے روانہ ہونے سے قبل آپ نے اپنے گھر والوں کو نصیحت فرمائی کہ میں اب جا رہا ہوں۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم کوئی اور راستہ اختیار کرو۔ جس ایمان اور عقیدہ پر میں ہوں وہی تمہارا مذہب ہونا چاہئے۔ جب آپ خوست چھاؤنی پہنچے تو حاکم نے ایک کوٹھی میں آپ کو نظر بند کر دیا مگر اتنی رعایت رکھی کہ آپ کے عزیز آپ سے ملتے رہیں۔ کچھ دنوں کے بعد حاکم خوست نے آٹھ گھوڑ سواروں کے ساتھ آپ کو کابل بھجوا دیا۔

کابل دربارِ شاہی میں

بادشاہ کو آپ کے خلاف بہت بھڑکایا گیا تھا۔ جب آپ کو دربار میں پیش کیا گیا تو بادشاہ بڑی سختی سے پیش آیا اور حکم دیا کہ ان کو ارک کے قلعہ میں قید کر دو۔ یہ وہ قلعہ تھا جس کے ایک حصہ میں خود بادشاہ رہتا تھا۔ بادشاہ کے حکم پر آپ کو اس قلعہ میں قید کر دیا گیا اور غراغراب نامی زنجیر جس کا وزن ایک من چوبیس سیر تھا آپ کو پہنا دی گئی۔ اس میں ہتھکڑی بھی شامل تھی۔ آپ کے جسم کا کمر تک کا حصہ مکمل طور پر اس نے گھیر لیا۔ آپ کے پاؤں میں آٹھ سیر وزنی بیڑی لگا دی گئی۔ یہ قید بامشقت ایک عادی مجرم پر وارد نہ کی گئی تھی بلکہ اُس وجود پر یہ مسلّط کی گئی جو بچپن سے ہی ناز و نعم میں پلا تھا۔ اپنے علاقہ کا معروف بزرگ اور عالم متبحر اور بہت بڑی جائیداد کا مالک تھا۔ آپ نے محض اللہ کے نام پر، اُس کی خاطر، اُس کے دین کی خاطر یہ قید بامشقت چار ماہ تک بڑے ہی صبر اور حوصلہ کے ساتھ پوری کی۔ اپنا سارا وقت ذکر الٰہی اور

تلاوت قرآن کریم میں گزارا۔

قید کے دوران بادشاہ نے کئی مرتبہ شہزادہ صاحب کو یہ کہا کہ آپ مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کر دیں تو بچ سکتے ہیں مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی کہا کہ میں صداقت کو کیسے چھوڑ دوں؟ اس پر میری ہر چیز قربان ہوسکتی ہے مگر مجھ سے اس صداقت کا انکار نہیں ہوسکتا۔

کچھ ایسے مست ہیں وہ رخِ خوب یار سے
ڈرتے کبھی نہیں ہیں وہ دشمن کے وار سے

راہ مولیٰ میں شہادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام شہزادہ صاحب کی شہادت کے واقعات کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

’’جب چار مہینے قید کے گزر گئے تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری میں توبہ کیلئے فہمائش کی اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اُس کے اصولوں کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے لیکن میں اُس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ ہاں چونکہ میں سچ پر ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدے کے مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے اگر میں دلائل کے رو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے۔ راوی اس قصہ کے کہتے ہیں کہ ہم اس گفتگو کے وقت موجود تھے۔ امیر نے اس بات کو پسند کیا اور مسجد شاہی میں خان ملا خاں اور آٹھ مفتی بحث کیلئے منتخب کئے گئے اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو خود پنجابی

ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے مقرر کر کے بھیجا گیا...... مباحثہ تحریری تھا۔ صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بات حاضرین کو سنائی نہیں جاتی تھی اس لئے اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔ پھر جب عصر کا آخری وقت ہوا تو کفر کا فتویٰ لگایا گیا...... پھر بعد اس کے اخوندزادہ حضرت شہید مرحوم اسی طرح پابزنجیر ہونیکی حالت میں قید خانہ میں بھیجے گئے اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی ہے کہ جب شاہزادہ مرحوم کی اُن بدقسمت مولویوں سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلواریں لے کر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔ پھر بعد اس کے وہ فتویٰ کفر رات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں عمداً نہ بھیجے گئے اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی ردّ نہ کر سکے مگر افسوس امیر پر کہ اس نے کفر کے فتویٰ پر ہی حکم لگا دیا اور مباحثہ کے کاغذات طلب نہ کئے...... بعد اس کے کہ فتویٰ کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ میں بھیجا گیا صبح روز دوشنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنی خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔ اس وقت بھی بڑا مجمع تھا...... پھر امیر صاحب جب اپنے اجلاس پر آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوندزادہ صاحب مرحوم کو بلایا اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے۔ اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا کہ میں حق سے توبہ نہیں کر سکتا۔ کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تب امیر نے دوبارہ توبہ کیلئے کہا اور توبہ کی حالت میں بہت امید دی اور وعدہ معافی دیا۔ مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں سچائی سے توبہ کروں...... جب شہید مرحوم

نے ہرایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے ان سے مایوس ہوکر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اس میں یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے۔ تب وہ فتویٰ اخوندزادہ مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کر کے اس میں رسی ڈال دی جائے اور اُس رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اُس میں رسی ڈالی گئی۔ تب اُس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں، مفتیوں اور دیگر اہلکاروں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا اور شہر کی ہزار ہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشا کے دیکھنے کیلئے گئی۔ جب مقتل پر پہنچے تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا اور پھر اُس حالت میں جب کہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے امیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی میں تجھے بچا لیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے اور جان کی کیا حقیقت ہے اور عیال واطفال کیا چیز ہیں جن کے لئے میں ایمان کو چھوڑ دوں۔ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور میں حق کے لئے مروں گا''۔

دے چکے دل اب تن خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

’’تب قاضیوں اور فقیہوں نے شور مچایا کہ کافر ہے۔ کافر ہے۔ اس کو جلد سنگسار کرو۔ اُس وقت امیر اور اس کا بھائی نصر اللہ خاں اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔

جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا کہ میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں۔ تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہیں آپ چلاویں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھروں کا جمع ہو گیا...... بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو وقوع میں آیا‘‘۔

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد نمبر۲۰: صفحہ:۵۴تا۵۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس واقعہ کا فارسی نظم میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آں جواں مرد و حبیبِ کردگار
جوہر خود کرد آخر آشکار
بیں کہ ایں عبداللطیف پاک مرد
چوں پئے حق خویشتن برباد کرد
جاں بصدق آں دلستاں را دادہ است
تا کنوں در سنگہا افتادہ است

ایں بود رسم و رہِ صدق و وفا
ایں بود مردان حق را انتہا

یعنی وہ جواں مرد اور رب کریم کا محبوب تھا۔ اس نے اپنے پوشیدہ خدا داد جوہر کو خوب ظاہر کر دیا۔ دیکھو دیکھو اس پاک وجود عبداللطیف نے اپنے مولا اور حق وصداقت کی خاطر قربانی دے دی اور اُس وجود نے صدق اور سچائی کے ساتھ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی تبھی تو اس نے اپنے آپ کو اس طرح پر سنگساری کے پتھروں کے سپرد کر دیا۔ یہی صدق و وفا کے راستہ کی رسم ہے اور مردان حق کا انتہائی مقام یہی ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے متعلق فرمایا:۔

''اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا''۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کی برکات ان کے پس ماندگان میں جاری وساری رکھے اور ہر آن اور ہر لحظہ سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۲) حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب

نام: حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب

قادیان آمد: آپ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کے لائق شاگرد تھے اوران تین خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہیں حضرت صاحبزادہ صاحب نے ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء سے گاہے بگاہے حضور علیہ السلام کی خدمت میں قادیان بھجوانا شروع کردیا تھا۔

شہادت: ۱۹۰۱ء

حضرت سید عبداللطیف صاحب شہید نے ہندوستان اور افغانستان کی سرحدات کی تعیین کے کام سے واپس افغانستان جا کر اپنے ایک خاص اور لائق شاگرد حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو قادیان بھیجا اور پھر متعدد مرتبہ بھجواتے رہے۔ دسمبر ۱۹۰۰ء میں آخری مرتبہ جب حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب قادیان سے واپس کابل گئے تو علماء کے شکایت لگانے پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور پھر علماء کے فتوی کے مطابق آپ کو قید میں ڈال دیا گیا اور اس قید کے دوران ہی آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر آپ کے سانس کو بند کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ یہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے۔

یہ افغانستان میں کسی احمدی کی محض اللہ کے نام پر پہلی قربانی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہزاروں ہزار رحمتیں اس وجود پر فرمائے جس نے قید و بند کی صعوبتوں کو تو برداشت کر لیا مگر اپنے ایمان کو سلامت رکھا۔ آپ نے موت کو تو گلے لگا لیا مگر دین سے انحراف نہ کیا۔ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس دنیا کی زندگی تو عارضی ہے دائمی زندگی اس کے بعد کی ہے۔ اس لئے آپ نے اس عارضی حیات کو الوداع کہہ کر ہمیشہ کی زندگی کو اختیار کر لیا۔

(تذکرۃ الشہادتین، شہداء الحق مرتبہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی فصل پنجم)

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

(۳) حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی

نام: حضرت مولانا غلام رسول صاحب

ولدیت: حضرت میاں کرم دین صاحب

پیدائش: ۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۹ء کے درمیان بمقام راجیکی ضلع گجرات

بیعت: ۱۸۹۷ء کو بذریعہ خط اور ۱۸۹۹ء کو دستی بیعت

تصانیف: حیات قدسی (پانچ جلدیں) ہستی باری تعالیٰ۔ کشف الحقائق، کلمۃ الفصل (عربی)

وفات: ۱۵، ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء اتوار اور سوموار کی درمیانی رات سات بجے بعمر ۸۵ سال

اولاد: آپ کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹا تو بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ بقیہ پانچ بچوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مکرم مصلح الدین صاحب راجیکی ۲۔ مکرم برکات احمد صاحب راجیکی
۳۔ مکرم اقبال احمد صاحب راجیکی ۴۔ مکرم مبشر احمد صاحب راجیکی
۵۔ مکرم عزیز احمد صاحب راجیکی

قبول صداقت اور قربانیاں

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بزرگوں کی اولاد اور اپنے علاقہ کے معزز خاندان سے تھے۔ آپ صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔ آپ کی دعاؤں کی قبولیت کے واقعات جماعت میں بہت معروف ہیں۔ عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے آپ کے عربی قصائد منقوطہ وغیر منقوطہ نے اپنوں اور غیروں سب سے آپ کی عربی دانی کا لوہا منوایا۔

آپ عربی، فارسی، اُردو، پنجابی کے قادرالکلام شاعر تھےآپ کی پنجابی نظمیں اورسی حرفیاں

بہت مقبول ہیں۔ خاص طور پر ''جھوک مہدی والی'' تو دیہاتی جماعتوں میں زبان زد عام ہے۔

آپ کو جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی تو سنت اللہ کے مطابق آپ پر بہت ابتلا آئے مگر ہر موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری فرمائی اور آپ اخلاص میں ترقی پر ترقی کرتے چلے گئے۔

یہاں چند واقعات جو کہ آپ نے خود ہی تحریر فرمائے ہیں احباب کے ازدیاد ایمان کی خاطر پیش کئے جاتے ہیں۔

فتویٰ تکفیر اور مقاطعہ

آپ فرماتے ہیں:۔

''وطن مالوف موضع راجیکی پہنچتے ہی خداوند کریم کی نوازش ازلی نے میرے اندر (دعوت احمدیت) کا ایسا بے پناہ جوش بھر دیا کہ میں شب و روز دیوانہ وار اپنوں اور بیگانوں کی محفل میں جاتا اور سلام وتسلیم کے بعد امام الزمان علیہ السلام کے آنے کی مبارکباد عرض کرتے ہوئے (دعوت احمدیت) شروع کر دیتا۔ جب گردونواح کے دیہات میں میری (دعوت الی اللہ) اور احمدی ہونے کا چرچا ہوا تو اکثر لوگ جو ہمارے خاندان کو پشتہا پشت سے ولیوں کا خاندان سمجھتے تھے مجھے اپنے خاندان کے لئے باعثِ ننگ خیال کرنے لگے اور میرے والد صاحب محترم اور میرے چچاؤں کی خدمت میں حاضر ہو کر میرے متعلق طعن وتشنیع شروع کر دی۔ میرے خاندان کے بزرگوں نے جب ان لوگوں کی باتوں کو سنا اور میرے عقائد کو اپنی آبائی وجاہت اور دنیوی عزت کے منافی پایا تو مجھے خلوت وجلوت میں کوسنا شروع کر دیا آخر ہمارے ان بزرگوں اور دوسرے لوگوں کا یہ جذبۂ تنافر یہاں تک پہنچا کہ ایک روز لوگ مولوی شیخ احمد ساکن دھریکاں تحصیل پھالیہ اور بعض دیگر علماء کو ہمارے گاؤں میں لے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی ان علماء نے مجھے سینکڑوں آدمیوں کے مجمع میں بُلایا اور احمدیت سے توبہ کرنے کیلئے کہا میری عمر اگرچہ اس وقت کوئی اٹھارہ اُنیس سال کے قریب ہوگی مگر اس روحانی جرأت کی وجہ سے جو

محبوب ایزدی نے مجھے مرحمت فرمائی تھی میں نے ان مولویوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس بھرے مجمع میں جہاں ہمارے علاقہ کے زمیندار اور نمبردار اور ذیلدار وغیرہ جمع تھے ان لوگوں کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل سنانے کی کوشش کی لیکن مولوی شیخ احمد اور ان کے ہمراہیوں نے میرے دلائل کو سننے کے بغیر ہی مجھے کافر ٹھہرا دیا اور یہ کہتے ہوئے کہ اس لڑکے نے ایک ایسے خاندان کو بٹہ لگایا ہے جس میں پشتہا پشت سے ولی پیدا ہوتے رہے ہیں اور جس کی بعض خواتین بھی صاحب کرامات وکشوف گذری ہیں۔ تمام لوگوں کا میرے ساتھ مقاطعہ کرا دیا اس موقع پر میرے بڑے چچا حافظ برخوردار صاحب کے لڑکے حافظ غلام حسین جو بڑے دبدبہ کے آدمی تھے کھڑے ہوئے اور میری حمایت کرتے ہوئے ان مولویوں اور ذیلداروں کو خوب ڈانٹا لوگوں نے جب اُن کی خاندانی عصبیت کو دیکھا تو خیال کیا کہ اب یہاں ضرور کوئی فساد ہو جائے گا اس لئے منتشر ہو کر ہمارے گاؤں سے چلے گئے......۔ اس فتویٰ تکفیر کے بعد مجھے لا الہ الا اللہ کی خالص توحید کا وہ سبق جو ہزار ہا مجاہدات اور ریاضتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا ان علماء کی آشوب کاری اور رشتہ داروں کی بے اعتنائی نے پڑھا دیا اور وہ خدا جو صدیوں سے عنقا اور ہما کی طرح لوگوں کے وہم و گمان میں تھا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے...... کے توسط سے اپنی یقینی تجلیات کے ساتھ مجھ ذرۂ حقیر پر ظاہر ہوا۔ چنانچہ اس ابتدائی زمانہ میں جب کہ یہ علماء سوء گاؤں گاؤں میری کم علمی اور کفر کا چرچا کر رہے تھے مجھے میرے خدا نے الہام کے ذریعہ سے یہ بشارت دی۔ ’’مولوی غلام رسول جوان صالح کراماتی‘‘ چنانچہ اس الہام الٰہی کے بعد جہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑے بڑے مولویوں کے ساتھ مباحثات کرنے میں نمایاں فتح دی ہے وہاں میرے ذریعہ سیدنا حضرت امام الزمان علیہ السلام کی برکت سے انذاری اور تبشیری کرامتوں کا اظہار بھی فرمایا ہے جن کا ایک زمانہ گواہ ہے‘‘۔

(حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی: حیات قدسی: حصہ اوّل: صفحہ:۲۱ تا ۲۳:
۲۰ جنوری ۱۹۵۱ء: حیدرآباد دکن)

قتل کی کوشش

حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔

''انہی ایام کا ذکر ہے کہ میں ایک مرتبہ موضع گڈ ہو جو ہمارے گاؤں سے قریباً ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے گیا چونکہ اس گاؤں کے اکثر لوگ ہمارے خاندان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اس لئے میں نے یہاں کے بعض آدمیوں کو احمدیت کی (دعوت) کی اور واپسی پر اس موضع کی ایک مسجد کے برآمدہ میں اپنی ایک پنجابی نظم کے کچھ اشعار جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے متعلق تھے لکھ دیئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس موضع کا نمبردار چوہدری اللہ بخش اس وقت کہیں مسجد میں طہارت کر رہا تھا اُس نے مجھے مسجد سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ اِدھر راستہ میں یہاں کے امام مسجد مولوی کلیم اللہ نے بھی مجھے دیکھا۔ جب یہ دونوں آپس میں ملے تو انہوں نے میرے جنون احمدیت کا تذکرہ کرتے ہوئے مسجد کے برآمدہ میں ان اشعار کو پڑھا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اب ہماری مسجد اس مرزائی نے پلید کر دی ہے یہ تجویز کیا کہ سات مضبوط جوانوں کو میرے پیچھے دوڑایا جائے جو میری مشکیں باندھ کر مجھے ان کے پاس لے آئیں اور پھر میرے ہاتھوں سے ہی میرے لکھے ہوئے اشعار کو مٹوا کر مجھے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سات جوانوں کو میرے پیچھے دوڑا دیا۔ مگر اس زمانہ میں مَیں بہت تیز چلنے والا تھا اس لئے میں ان جوانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے گاؤں آ گیا اور وہ خائب و خاسر واپس لوٹ گئے۔ دوسرے دن اسی گاؤں کا ایک باشندہ جو والد صاحب کا مرید تھا اور ان لوگوں کے بدارادوں سے واقف تھا صبح ہوتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ والد صاحب نے اس کی باتیں سنتے ہی مجھے فرمایا کہ جب ان لوگوں کے تیرے متعلق ایسے ارادے ہیں تو احتیاط کرنی چاہئے میں نے جب یہ واقعہ اور محترم والد صاحب کا فرمان سنا تو وضو کر کے نماز شروع کر دی اور اپنے

مولا کریم کے حضور عرض کیا کہ اے میرے مولا کریم کیا یہ لوگ مجھے تیرے پیارے مسیح کی (دعوت) سے روک دیں گے اور کیا میں اس طرح (دعوت) کرنے سے محروم رہوں گا۔ یہ دعا میں بڑے اضطراب اور قلق سے مانگ رہا تھا کہ مجھے جائے نماز پر ہی غنودگی سی محسوس ہوئی اور میں سو گیا۔ سونے کے ساتھ ہی میرا غریب نواز خدا مجھ سے ہمکلام ہوا اور نہایت رافت و رحمت سے فرمانے لگا۔ ''وہ کون ہے جو تجھے (دعوت) سے روکنے والا ہے الہ بخش نمبردار کو میں آج سے گیارہویں دن قبر میں ڈال دونگا''۔ سچ ہے۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

حضرت مولوی صاحب آگے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''صبح میں ناشتہ کرتے ہی موضع گڈ ہو پہنچا اور جاتے ہی الہ بخش نمبردار کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا اس کے لئے میں ایک الٰہی پیغام لایا ہوں اور وہ یہ ہے کہ الہ بخش آج سے گیارہویں دن قبر میں ڈالا جائے گا۔ کہنے لگے وہ تو موضع لالہ چک جو گجرات سے مشرق کی طرف چند کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں چلا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر تم لوگ گواہ رہنا کہ وہ گیارہویں دن قبر میں ڈال دیا جائے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس خدائی تقدیر کو ٹال سکے۔ میرا یہ پیغام سنتے ہی اہلِ محفل پر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ اب وہ تقدیر مبرم اس طرح ظہور میں آئی کہ چوہدری الہ بخش ذات الجنب اور خونی اسہالوں سے لالہ چک میں بیمار ہو گیا۔ مرض چند دنوں میں ہی اتنا بڑھا کہ اس کے رشتہ دار اُسے لالہ چک سے اٹھا کر گجرات کے ہسپتال میں لے گئے اور وہاں وہ ٹھیک گیارہویں دن اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا اور اُسے اپنے وطن موضع گڈ ہو کا قبرستان بھی نصیب نہ ہوا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار** ۔ اس پیشگوئی کی اطلاع چونکہ موضع گڈ ہو، موضع سعد اللہ پور اور بعض دیگر دیہات کے آدمیوں کو پہلے سے پہنچا دی گئی تھی اس کے عین وقت پر پورا ہونے سے اکثر لوگوں پر

دہشت سی طاری ہوگئی‘‘۔

(حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی: حیات قدسی: حصہ اوّل: ص: ۲۳ تا ۲۴: ۲۰ جنوری ۱۹۵۱ء: حیدر آباد دکن)

اللہ کی راہ میں گالیاں کھانا

آپ فرماتے ہیں:۔

’’موضع سعد اللہ پور جو ہمارے گاؤں سے جانبِ جنوب کوئی تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کے اکثر حنفی لوگ بھی ہمارے بزرگوں کے ارادتمند تھے۔ اس لئے میں کبھی کبھار اس موضع میں (دعوت الی اللہ) کی غرض سے جایا کرتا تھا اور ان لوگوں کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس موضع میں مولوی غوث محمد صاحب ایک اہلِ حدیث عالم تھے اور امرتسر کے غزنوی خاندان سے نسبت تلمّذ رکھنے کی وجہ سے احمدیت کے سخت معاند اور مخالف تھے۔ میں نے ایک روز ان کی موجودگی میں ظہر کے وقت مسجد میں لوگوں کو احمدیت کی (دعوت) کی اور انہیں بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کچھ کتابیں اور رسالے مطالعہ کیلئے دیئے۔ جب انہیں اس (دعوت) اور حضور اقدس کی کتابوں سے یہ علم ہوا کہ میں حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود اور امام مہدی تسلیم کرتا ہوں تو انہوں نے میرے حق میں بے تحاشا فحش گوئی شروع کر دی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات والا صفات کے متعلق بھی بہت گند اچھالا۔ میں نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ آپ جتنی گالیاں چاہیں مجھے دے لیں لیکن حضرت اقدس علیہ السلام کی توہین نہ کریں مگر وہ اس سے باز نہ آئے۔ آخر چار و ناچار میں تخلیہ میں جا کر سجدہ میں گر پڑا اور رو رو کر بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی اور رات کو بغیر کھانا کھائے ہی مسجد میں آ کے سو گیا۔ جب سحری کے قریب وقت ہوا تو مولوی غوث محمد صاحب مسجد میں میرے پاس پہنچے اور معافی مانگتے ہوئے مجھے کہنے لگے۔ خدا کے لئے

ابھی حضرت مرزا صاحب کو میری بیعت کا خط لکھو ورنہ میں ابھی مر جاؤں گا اور دوزخ میں ڈالا جاؤں گا۔ میں نے جب ان کا احمدیت کی طرف رجوع دیکھا تو حیران ہو کر اس کی وجہ دریافت کی۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ قیامت کا دن ہے اور مجھے دوزخ میں ڈالے جانے کا حکم صادر ہوا ہے اور اس کی تعمیل کرانے کیلئے میرے پاس بڑی بھیانک شکل کے فرشتے آئے ہیں اور ان کے پاس آگ کی بنی ہوئی اتنی بڑی بڑی گرزیں ہیں جو بلندی میں آسمان تک پہنچتی ہیں۔ انہوں نے مجھے پکڑا ہے اور کہتے ہیں کہ تم نے مسیح موعود اور امامِ زمانہ کی شان میں گستاخی کی ہے اس لئے اب دوزخ کی طرف چلو اور اس کی سزا بھگتو۔ میں نے ڈرتے ہوئے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ میں توبہ کرتا ہوں آپ مجھے چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے کہا اب توبہ کرتا ہے اور مجھے مارنے کیلئے اپنا گرز اُٹھایا جس کی دہشت سے میں بیدار ہو گیا اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ خدا کے لئے آپ میرا قصور معاف فرمائیں اور حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں میری بیعت کا خط لکھ دیں۔ چنانچہ اس خواب کی بناء پر آپ احمدی ہو گئے اور اس کے بعد ہم دونوں کی (دعوت الی اللہ) سے اس گاؤں کے بیسیوں مرد اور عورتیں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ **فالحمد للّٰہ علی ذالک**“

راہ خدا میں عزت کی قربانی

آپ فرماتے ہیں:۔

”موضع پادشہانی ضلع جہلم کا مولوی احمد دین جو احمدیوں کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلانے میں حد درجہ زبان شر رکھتا تھا موضع خوجیانوالی جو ہمارے گاؤں سے تقریباً چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے آیا اور آتے ہی اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ جن دیہات میں مرزائی پائے جاتے ہیں وہ اس کنویں کی طرح ہیں جس میں خنزیر پڑا ہوا ہو۔ پس اگر گاؤں والے گاؤں کو اور اپنے آپ کو پاک رکھنا چاہتے ہیں تو ان مرزائیوں کو باہر نکال دیں۔ اس قسم کی تقریروں کا

سلسلہ جب کچھ روز جاری رہا تو لوگوں میں ہر طرف ہماری عداوت کے شعلے بھڑک اُٹھے اور ایک جمعہ کے دن جب کہ لوگ جمعہ پڑھنے کیلئے باہر سے بھی آئے ہوئے تھے اور اس طرح سے موضع خوجیانوالی میں گردونواح کے ہزار ہا لوگوں کا اجتماع ہو گیا تھا۔ اس مولوی نے لوگوں کو احمدیوں کے خلاف بہت اشتعال دلایا۔ میں ان دنوں چونکہ (دعوت الی اللہ) کی غرض سے موضع رجوعہ اور موضع ہیلاں تحصیل پھالیہ گیا ہوا تھا۔ اس لئے میرے بعد احمدی احباب اس مولوی کی فتنہ پردازیوں سے سخت خائف ہو گئے۔ آخر بعض مولویوں کے یقین دلانے پر کہ مرزائیوں میں سے کوئی بھی مجمع میں تقریر کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ جب مولوی احمد دین نے ہمارے احمدیوں کو مقابلہ کا چیلنج دیا تو اس علاقہ کے احمدیوں میں سے مولوی امام الدین صاحب اور مولوی غوث محمد صاحب وغیرہما نے ہمارے چوہدری مولا داد وڑائچ احمدی ساکن لنگہ کو میرے بلانے کے لئے موضع ہیلاں بھیجا۔ چنانچہ میں اطلاع پاتے ہی گھوڑی پر سوار ہو کر موضع خوجیانوالی پہنچ گیا اور آتے ہی ایک عربی خط لکھ کر مولوی احمد دین کے پاس بھیجا۔ جسے وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے پڑھنے سے قاصر رہا اور جیب میں ڈالتے ہوئے میری طرف پیغام بھیجا کہ آپ یہاں آ کر منبر پر چڑھ کر تقریر کریں۔ چنانچہ میں بمع احباب وہاں پہنچتے ہی منبر کے قریب گیا اور اسے کہا کہ آپ منبر سے نیچے اُتریں میں تقریر کرتا ہوں تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ رسول کی منبر پر میں کافر کو تقریر نہیں کرنے دوں گا۔ اور اس طرح اس نے مجھے تقریر کرنے سے روک دیا اور حضور اقدس علیہ السلام کی کتاب ''ازالہ اوہام'' نکال کر ...... الہام پر اعتراضات شروع کر دیئے اور اس کی جہالت کا نمونہ یہ تھا کہ لفظ دائیں کو دائین بنون موقوف پڑھا۔ جب میں نے جوابات دے کر لوگوں پر اس کی بے علمی کو واضح کیا تو اس نے اپنی خفت مٹانے کیلئے مجھے ایک تھپڑ مارا جو میرے منہ کی بجائے میرے عمامہ پر لگا اور وہ میرے سر سے کچھ سرک گیا۔ اس بدتمیزی کو دیکھ کر حاضرین میں سے چوہدری جان محمد نمبردار وڑائچ اور چوہدری ہست خاں مانگٹ اُٹھے اور اس مولوی کو بہت ہی ڈانٹا اور ملامت کی اور جتنا مجمع تھا منتشر ہو گیا۔ اس موقع

پر خدا تعالیٰ کے فضل سے چند منٹوں میں ہی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور دعویٰ کا اعلان ہزار ہا لوگوں تک پہنچ گیا اور اس مولوی کی بے علمی اور بدتمیزی واضح ہوگئی۔ دوسرے دن جب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی احمد دین ابھی اسی گاؤں کی ایک مسجد میں ہے تو میں نے یہاں کے نمبردار چوہدری جان محمد کو کہا کہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو قرآن مجید اور احادیث اور اسلام کی رُو سے تسلیم کر کے اپنی ساری قوم اور آپ لوگوں سے مذہب کی بناء پر علیحدہ ہوا ہوں۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ لوگ مولوی احمد دین کو بلا کر میرے ساتھ گفتگو کرائیں تا کہ جس شخص کے پاس بھی سچائی ہے لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ چوہدری جان محمد نے کہا بات تو معقول ہے۔ ہم ابھی مولوی احمد دین کو کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب مولوی احمد دین کو میرا یہ پیغام سنایا تو وہ کہنے لگا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس موضع کے تمام زمیندار مولوی غلام رسول راجیکی کی قوم کے لوگ ہیں اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ یہاں کوئی فساد نہ ہو جائے۔ میں نے کہلا بھیجا کہ مولوی احمد دین جیسا بھی چاہیں اپنے امن وتحفظ کے متعلق تسلی کر لیں مگر میرے ساتھ گفتگو ضرور کریں۔ اس کے بعد مولوی احمد دین نے گھوڑی منگائی اور موضع گڈ ہو بھاگ گیا۔ جہاں چند روز قیام کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ اُسے آتشک ہوگئی ہے۔ پھر وہاں سے وہ اپنے وطن ضلع جہلم چلا گیا اور دوبارہ ہمارے علاقہ میں آنے کی اسے جرأت نہ ہوسکی اور سنا کہ وہ وہاں وطن میں جلد ہی مرگیا اور دنیا میں اُسے رہنے کیلئے زیادہ مہلت نہ مل سکی''۔

(حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی: حیات قدسی: حصہ اوّل: صفحہ: ۳۰ تا ۳۳: ۲۰ جنوری ۱۹۵۱ء: حیدرآباد دکن)

حضرت نواب محمد علی خان صاحب

نام: نواب محمد علی خان صاحب **والد کا نام:** غلام محمد خان صاحب
خاندان: غوری **پیدائش:** یکم جنوری ۱۸۷۰ء
آپ کی عمر ساڑھے سات سال کی تھی کہ آپ کے والد نے وفات پائی۔ احاطہ خاص میں تدفین ہوئی۔
وفات: آپ اگست ۱۹۴۴ء میں پیشاب میں خون آنے کی تکلیف میں مبتلا ہوئے اس کی وجہ سے بہت کمزور ہوگئے اور ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء کو وفات پائی۔

اہم امور

۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں شامل ہوئے اس جلسہ کے شاملین میں سے جن ۳۲۷ مخلصین کے نام حضور نے آئینہ کمالات اسلام میں درج فرمائے۔

حضور کی تحریک پر مالیر کوٹلہ کی شاہانہ زندگی ترک کر کے قادیان ہجرت کر کے آ گئے۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کا نکاح اپنی خالہ زاد مہر النساء بیگم صاحبہ کے ساتھ ہوا اور اکیس سال کی عمر میں تقریب رخصتانہ ہوئی۔

آپ کی اہلیہ محترمہ مہر النساء بیگم صاحبہ کی وفات ۱۸۹۸ء میں زچگی کے دوران ہوئی ان کے بطن سے آپ کے ہاں چار (۴) بیٹے اور دو (۲) بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی جلد ہی فوت ہو گئے تھے۔

دوسری شادی آپ نے اپنی مرحومہ اہلیہ کی چھوٹی بہن محترمہ امۃ الحمید بیگم صاحبہ (جن کا اصلی نام حمید النساء تھا) کے ساتھ کی۔ حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب (اللہ آپ سے

راضی ہو) نے نکاح پڑھایا اوران کی وفات ۱۹۰۶ء میں ہوگئی۔اس کے بعد آپ کا نکاح مورخہ ۱۷فروری ۱۹۰۸ءکوحضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کی بڑی صاحبزادی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ساتھ ہوا۔حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب (اللہ آپ سے راضی ہو) نے نکاح پڑھا۔رخصتی ۱۴مارچ ۱۹۰۹ءکوہوئی۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ساتھ آپ کی بیٹی صاحبزادی زینب بیگم بیاہی گئیں۔

آپ کے بیٹے نواب محمد عبداللہ خان صاحب کا نکاح حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کی دختت کرام حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے ساتھ ۷جون ۱۹۱۵ء بروز دوشنبہ کو بیت اقصیٰ قادیان میں حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے پڑھا۔حضرت صاحبزادی صاحبہ کی رخصتی مورخہ ۲۲فروری ۱۹۱۷ءکوہوئی۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب ایثار وقربانی کے پیکر،شریعت کے پابند، عاشق خدا، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشق مسیح موعودعلیہ السلام تھے۔بہت مخلص،غریب پرور،نرم خو،ہرایک کیلئے ہمدرد، دعا گو،صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کوآپ کا لقب ''حجۃ اللہ'' بتایا گیا۔

سلسلہ احمدیہ کے پہلے باتنخواہ مبلغ شیخ غلام احمد صاحب تھےجن کا مکمل خرچ حضرت نواب صاحب نے برداشت کیا۔یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ انجمن کی مالی حالت بہت کمزور تھی اوروہ باتنخواہ مبلغ نہ رکھ سکتی تھی۔

ارتدادملکانہ کے ایام میں آپ اس علاقہ میں پیرانہ سالی کے باوجود تشریف لے گئے اور تحریک شدھی کے خاتمے کے سلسلہ میں خوب محنت کی اور سارا خرچ نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھیوں کا بھی آپ ہی برداشت کرتے تھے۔

مالی قربانیوں میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ہرموقع پرآپ نے مالی قربانی پیش کی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر نواب صاحب فونوگراف قادیان لائے اور ۱۵ نومبر ۱۹۰۱ء کو نمازِ عصر کے بعد فونوگراف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو سنائے اور دو سلنڈر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے بھرے۔ ۲۰ نومبر کو لالہ شرمپت آریہ کی درخواست پر غیر مسلموں کو بھی فونوگراف کے ذریعہ نظمیں سنائی گئیں۔ اس موقع پر خاص طور پر حضور نے نظم ”آواز آ رہی ہے یہ فونوگراف سے“ تحریر فرمائی تھی۔

حضرت نواب صاحب کو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۸ء تک مختلف عہدوں پر خدمات سلسلہ کا موقع ملا۔

۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کا قیام ہوا۔ اس کے آپ بھی ممبر تھے۔

آپ کے بیٹے نواب عبدالرحیم خان صاحب سخت بیمار ہوئے تو حضرت اقدس علیہ السلام کی دعائے خاص سے شفا ملی۔

کڑا امتحان۔ اعلیٰ درجہ کا ایمان

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ساتھ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی صاحبزادی محترمہ زینب بیگم صاحبہ کے نکاح کی تجویز قرار پائی تو یہ موقع نواب صاحب کیلئے بڑے کڑے امتحان کا تھا۔ آپ کے تمام عزیز رشتہ دار اس رشتہ کے مخالف تھے۔ انہوں نے قادیان آ کر نواب صاحب کو اس کام سے روکا کیونکہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اوّل تو ظاہری دنیوی مال و دولت کے اعتبار سے یہ امر مشکل ہے اور دوسرے یہ کہ اس طرح سے مالیر کوٹلہ کی جائیداد سے کچھ حصہ دینا پڑیگا۔ مگر نواب صاحب نے اس موقع پر نہایت اعلیٰ ایمان کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے انہیں کہا کہ جب میں ایک شخص کو مسیح موعود مان چکا ہوں تو میں ان کو رشتہ دینے سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں۔ گویا اس وقت آپ بزبانِ حال اس شعر کے مصداق ہو گئے۔

جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہو گیا
آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہو گیا

آپ نے فرمایا:

''جو میں نے دیکھا ہے وہ آپ کو نظر نہیں آ سکتا۔ اتنا آپ سن لیں کہ اگر شریف احمد ٹھیکرا لے کر گلیوں میں بھیک مانگ رہا ہوتا تب بھی شریف احمد کو ہی بیٹی دیتا''۔

(رفقاء احمد: جلد دوم: صفحہ ۲۵۶)

اس پر آپ کے بھائی ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہ نکاح نومبر ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ رخصتی ۹ مئی ۱۹۰۹ء کو ہوئی۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی قربانی کا ایک موقع اس وقت پیدا ہوا جب کہ آپ کے بچوں کے رشتوں کا مرحلہ آیا۔ نواب موسیٰ خاں صاحب جو کہ نواب مزمل اللہ خان صاحب سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی کے رشتہ داروں میں سے تھے اور شیروانی خاندان میں سے ہی تھے اور علی گڑھ جا کر آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے بچوں میاں عبدالرحمٰن خان صاحب اور میاں محمد عبداللہ خان صاحب کے رشتوں کیلئے خواہش کا اظہار کیا۔ یہ احمدی نہ تھے۔ نواب محمد علی خان صاحب نے محض احمدیت کی وجہ سے ان رشتوں سے انکار کر دیا۔

(رفقاء احمد: جلد دوم: صفحہ ۲۷۰)

یہ دیوانگی عشق کا ہے نشاں
نہ سمجھے کوئی اس کو جز عاشقاں

حضرت مولانا شیر علی صاحب

نام: حضرت مولانا شیر علی صاحب

ولدیت: مولوی نظام الدین صاحب

پیدائش: ۲۴ نومبر ۱۸۷۵ء بمقام ادرحمہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

قوم: رانجھا

تعلیم: بھیرہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۵ء میں انٹرنس میں کامیاب ہوئے اور پھر ایف سی کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔

بیعت: ۱۸۹۷ء

وفات: ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء

اہم امور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء میں شامل ہوئے۔صاحب کشف والہام اور مقام دعا پر فائز وجود تھے۔نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے حامل تھے۔ دنیوی چمک دمک کو چھوڑ کر خدمت دین کو اپنا لیا اور قادیان کے ہی ہو رہے۔اعلیٰ درجہ کی علمی اور انتظامی خدمات کی توفیق ملی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو کشف میں ایک فرشتہ نما شخص دکھایا گیا جس کا نام شیر علی بتایا گیا۔(تذکرہ:صفحہ ۱۸)اور آپ اس کے مصداق بنے۔

آپ کی قلمی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء سے ہوا۔ ریویو میں آپ کے نہایت اعلیٰ درجہ کے مضامین نے ہر طرف سے خراج تحسین حاصل کیا۔اشاعت اسلام، ینابیع المودۃ پر ریویو، قبر مسیح اور اس قسم کے بیسیوں مضامین آپ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیق اور وسعت علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ کا ایک اہم علمی کارنامہ اگست ۱۹۲۴ء میں حضرت نعمت اللہ خان صاحب کی

افغانستان میں شہادت پر ’’قتل مرتد اور اسلام‘‘ کے نام سے ایک نہایت عمدہ علمی کتاب کا تحریر کرنا ہے۔

آپ کا ایک ہمیشہ یاد رکھا جانے والا علمی کارنامہ قرآن مجید کا اعلیٰ پایہ کا انگریزی ترجمہ ہے جو کہ آج بھی مقبول ہے اور اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کہ قرآن کا ترجمہ انگریزی میں کر کے یورپ اور امریکہ بھجوانا چاہئے پوری ہوئی۔

اللہ کی راہ میں قربانی۔عہدہ منصفی کو خیر باد

آپ نے اُس زمانہ میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کیا جب کہ پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹس خال خال نظر آتے تھے اور ایوان حکومت میں اعزاز کی کرسیاں ایسے لوگوں کیلئے چشم براہ تھیں۔اس دور میں جب کہ آپ بی۔اے کے بعد قادیان میں تھے آپ کو آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر جج کے عہدہ کی پیش کش ہوئی۔آپ نے اس چٹھی کو اپنے والد صاحب کو اطلاع دیئے بغیر ہی پھاڑ کر پھینک دیا تا کہ والد صاحب وہاں جانے پر مجبور نہ کریں اور قادیان کا روحانی ماحول آپ کو ترک نہ کرنا پڑے۔غرض آپ نے اللہ کی رضا کی خاطر یہ قربانی جو دراصل بہت ہی بڑی قربانی تھی وہ خدا کے حضور پیش کر دی اور ہمیشہ کیلئے قادیان کے ہو رہے اور جماعت کی خدمت میں ساری عمر گزار دی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) نے آپ کی ان قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا۔

’’پھر مولوی شیر علی صاحب ہیں۔ان کو اب دوسَو روپے ملتے ہیں۔ایک تو ان کی انگریزی کی قابلیت وہ چیز ہے جو اوروں میں نہیں اس کے علاوہ یہ قابلیت ان میں ہے کہ وہ مضمون پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ان کے مضمون پڑھنے والے دوستوں نے دیکھا ہو گا کہ وہ کس طرح مضمون کی باریکیوں تک جا پہنچتے ہیں اور کوئی پہلو اس

کا باقی نہیں چھوڑتے۔ پھر جب وہ یہاں ملازم ہوئے ہیں ان کا نام منصفی میں جا چکا تھا"۔(الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء)

دنیا سے بے نیاز ولی اللہ

آپ کی فقیرانہ زندگی اور محض للہ ہر قسم کی دنیوی چمک دمک کی قربانی پر روشنی ڈالنے والا ایک واقعہ محترم جناب ملک غلام فرید صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"کئی سال ہوئے میاں محمد شفیع صاحب جو "م۔ش" کے نام سے اخبارات میں مضمون لکھتے ہیں ہمارے سالانہ جلسہ کی رپورٹ لینے کیلئے قادیان گئے اور میرے پاس ٹھہرے۔ جب ہم جلسہ گاہ میں آئے تو میاں صاحب موصوف مجھ سے کہنے لگے ملک صاحب! کوئی ولی اللہ دکھلائیں۔ میں نے کہا ہمارے نزدیک سب سے بڑے ولی اللہ تو ہمارے امام ہی ہیں۔ ان کو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے کہنے لگے کہ ہاں وہ تو ہوئے۔ لیکن پھر بھی میں کسی فقیر ولی اللہ کو دیکھنا چاہتا ہوں میں اُن کے مطلب کو سمجھ گیا وہ اتنا کہنے ہی پائے تھے کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب ہمارے پاس سے گزرے آپ اُس وقت اپنے کندھے پر ایک موٹا کھردرا بھورے رنگ کا کمبل ڈالے ہوئے تھے...... میں نے کہا یہ ہمارے مولوی شیر علی صاحب ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں گریجویٹ ہوئے یورپ میں تین سال رہ آئے ہیں۔ انگریزی زبان کے بڑے ماہر ہیں برسوں رسالہ ریویو انگریزی کے ایڈیٹر رہے ہیں اور اب قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ میاں صاحب موصوف کہنے لگے میں ایسے ہی فقیر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ جب تک مولوی صاحب ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئے ان کی نظر مولوی صاحب کا تعاقب کرتی رہی"۔

(ملک نذیر احمد ریاض: سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحب: ص: ۵۶، ۵۷)

آپ کی منکسر المزاجی اور بے نفس خدمت کا ایک واقعہ مکرم ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب قلعہ

صوبہ سنگھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

’’حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ کا ذکر ہے جب حضرت مولوی شیر علی صاحب ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے فرائض انجام دیتے تھے ایک مرتبہ دو انگریز افسر قادیان آئے۔ جب وہ نواب صاحب کی کوٹھی کے شمالی جانب سے گزرے تو قریب ہی حضرت مولوی شیر علی صاحب اپنی بھینس چرا رہے تھے آپ کا گریبان کھلا ہوا تھا اور نہایت سادہ لباس میں ملبوس تھے۔ ان انگریز افسروں میں سے ایک نے حضرت مولوی صاحب سے پوچھا کہ ہمیں ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر سے ملنا ہے وہ کس جگہ ملیں گے تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا چلئے میں آپ کو ان کے مکان پر لے چلتا ہوں اور اپنے ہمراہ لا کر اپنی بیٹھک میں بٹھا کر فرمایا آپ تشریف رکھیں میں انہیں بلا لاتا ہوں۔ حضرت مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ چائے وغیرہ تیار کریں باتوں باتوں میں تعارف بھی ہو جائے گا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں ان کے گھر پر ہی لے چلیں۔ راستہ میں مل لیں گے۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا ’’ریویو ایڈیٹر تو میں ہی ہوں‘‘ وہ دونوں افسر یہ سن کر بے حد حیران ہوئے اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ اس رسالہ کا ایڈیٹر کوئی انگریز ہوگا‘‘۔

(ملک نذیر احمد ریاض: سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحب: ص:۱۸۹، ۱۹۰ء)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب

نام: تاریخی نام ''انظار حسین'' تھا

ولدیت: مشتاق احمد عرف محمد ابراہیم صاحب

پیدائش: ۱۲۸۰ھ بمقام باغپت ضلع میرٹھ۔ اصلی علاقہ ضلع مظفر نگر یو پی ہے۔

بیعت: ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء

شادی: آپ نے دو شادیاں کیں۔

اولاد: آپ کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

وفات: ۱۳۶۰ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۹۴۱ء بعمر ۷۹ سال

اہم امور

آپ ۳۱۳ رفقاء میں سے تھے۔ آپ کا نام حضورؑ نے مہدی کے بارہ میں ۳۱۳ رفقاء والی پیشگوئی کے پورا ہونے کے سلسلہ میں آئینہ کمالات اسلام اور انجام آتھم میں درج فرمایا ہے۔

☆ ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں شریک ہوئے۔

☆ سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

☆ کئی نشانات کے گواہ کے طور پر حضور نے آپ کا ذکر فرمایا ہے۔ صرف ''نزول المسیح'' میں ہی چھ پیشگوئیوں میں بطور گواہ آپ کا نام درج ہے۔

☆ مختلف مواقع پر آپ کو متعدد مضامین و کتب حضور کی خدمت میں پڑھ کر سنانے کی توفیق ملی۔

☆ پہلی شوریٰ منعقدہ ۱۵، ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء میں شرکت کی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے بارے میں تحریر فرمایا:۔

''حبی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب: یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار وانوار اس میں ظاہر ہیں وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے اوران سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور ادب جس پر تمام مدار حصول فیض کا ہے اور حسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء''

(ازالہ اوہام: صفحہ: ۴۳۲، ۴۳۳: روحانی خزائن: جلد نمبر ۳: صفحہ ۵۳۲، ۵۳۳)

اللہ کی راہ میں جماعت کپورتھلہ کی قربانی

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر کپورتھلہ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کپورتھلہ کی قربانیوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''جب (بیت الذکر) احمدیہ پر مخالفین نے قبضہ کر لیا اور احمدیوں کو عدالت میں دعویٰ کرنا پڑا تو شہر کے عمائد اور رؤساء مدعا علیہ تھے۔ احمدی چند احباب تھے جو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ ان کا رسوخ واثر کوئی نہ تھا۔ مقدمے میں کفر و اسلام کی بحثیں ہوتی تھیں۔ مولویوں کی نئی نئی مخالفت تھی والد صاحب کی پُرزور تحریری بحثیں مسل سے منسلک میں نے دیکھی ہیں۔ فریق مخالف بھی تحریری بحثیں داخل کرتا تھا۔ جماعت کپورتھلہ (بیت الذکر) چھن جانے کے لحاظ سے بے کس اور مظلوم تھی لیکن حالات تمام غیر موافق تھے...... مخالفین کو یقین کامل تھا کہ عدالت ان کے حق میں فیصلہ کرے گی۔ میں نے بچپن میں ان مخالفین کے یہ تیور خود دیکھے ہیں۔ احمدیوں کے راستے تک بند تھے۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب چکر کاٹ کر گھر کو جاتے۔ حافظ امام دین صاحب امام (بیت الذکر) احمدیہ کو پیٹا گیا اور گھسیٹا گیا۔ ان کی پگڑی میں آگ پھینکی گئی۔ گالی گلوچ ایک عام بات تھی۔ بعض آوارہ طبع لوگ راستہ روکے رہتے تھے اور احمدیوں کو ستانا اور ان کو گالی دینا ان کا ایک محبوب اور موجب ثواب مشغلہ تھا۔ سات سال تک یہ مقدمہ جاری رہا۔ حضرت منشی فیاض

علی صاحب نے لدھیانہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے الحاح سے دعا کی درخواست کی۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑے جلال سے فرمایا۔

''اگر میں سچا ہوں اور میرا سلسلہ سچا ہے تو (بیت الذکر) تمہیں ضرور ملے گی''

اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور اس کے عین مطابق باوجود شدید مخالفانہ حالات کے یہ بیت الذکر وہاں کی جماعت کو مل گئی''۔(رفقاء احمد: جلد:۴: صفحہ: ۱۳)

خدا کی راہ میں گالیاں برداشت کرنا

دہلی میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مباحثہ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی کے ساتھ ہوا تھا۔اس موقع پر وہاں کے لوگوں نے بہت بدتمیزی کی۔گالیاں دیں۔حضرت منشی ظفر احمد صاحب کتب کے حصول کے لئے مولوی محمد حسین صاحب فقیر جو شریف آدمی تھے ان کے پاس گئے۔مگر وہ گھر نہ ملے تو ان کے بچوں نے اس بندہ خدا کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ حضرت منشی صاحب جب واپس آ رہے تھے تو مولوی صاحب نے ان کو دیکھ کر اپنے پاس اشارے سے بلایا اور کہا۔

''اگر آپ کسی سے ذکر نہ کریں تو جس قدر کتابیں مطلوب ہوں میں دے سکتا ہوں میں نے کہا آپ اتنا احسان فرمائیں تو میں کیوں ذکر کرنے لگا۔کہنے لگے جب مرزا صاحب مولوی نذیر حسین سے قسم لینے کیلئے جامع مسجد میں بیچ کے دروازے میں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت میں دیکھتا تھا کہ انوار الٰہی آپ پر نازل ہوتے ہیں اور ان کی پیشانی سے شان نبوت عیاں تھی مگر میں اپنی اس عقیدت کو ظاہر نہیں کر سکتا''۔ (رفقاء احمد: جلد:۴: ص: ۱۲۳: روایت: ۸۹)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری

نام: حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری
ولدیت: چوہدری صدرالدین صاحب **قوم:** جالب کھوکھر
پیدائش: ۱۸۷۵ء بمقام چک چٹھہ ضلع گوجرانوالہ
تعلیم: نیلہ گنبد لاہور کے مدرسہ رحیمیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔
بیعت: ۱۹۰۵ء
اولاد: آپ کی دو شادیاں ہوئیں۔ آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔
وفات: ۱۷ مارچ ۱۹۶۴ء

اہم امور

آپ نے ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک وارشاد پر زندگی وقف کر کے دعوت الی اللہ کا کام باقاعدہ مرکزی ہدایت کے تابع شروع فرمایا۔ اوراس میدان میں آپ کے واقعات لائق مطالعہ ہیں۔

آپ دعا گو بزرگ تھے۔ آپ کی دعائیں بکثرت قبول ہوئیں اور بہت سے لوگ ان کے گواہ ہیں۔

اللہ کی راہ میں مخالفت اور صبر

آپ کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے سوانح نگار تحریر فرماتے ہیں۔

”آپ نے قصبہ مرالی میں پہنچ کر اپنی بیعت کا......اعلان کر دیا............اس پر قصبہ میں شور برپا ہوا اور شدید مخالفت کا آغاز ہو گیا۔ اہلحدیث مولویوں کی طرف سے مقاطعہ کرادیا

گیا۔ لوگ آپ کو کھلے بندوں گالی گلوچ دیتے۔ ایسے کٹھن مرحلہ پر مولانا صاحب آستانہ الٰہی پر جھکنے اور تہجد میں گریہ وزاری میں مصروف ہونے لگے اور خدا تعالیٰ نے آپ پر رؤیا وکشوف کا دروازہ کھول دیا۔ اور یہ امر آپ کے لئے بالکل نیا تھا۔ اس طرح آپ کے لئے تسلی کے سامان ہونے لگے.........سو اب آپ کے ایمان وعرفان میں ترقی ہونے لگی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عشق ووفا بھی بڑھنے لگا اور آپ دیوانہ وار (دعوت الی اللہ) میں لگ گئے۔ جس پر آپ کے ماموں نے جو خسر بھی تھے۔ آپ کو گھر سے نکل جانے پر مجبور کیا اور پولیس سے اس بارہ میں استمداد کی بھی دھمکی دی۔ اس لئے آپ موضع بقاپور چلے آئے۔ یہاں اپنی زمینداری کے باعث مقاطعہ تو نہ ہوا لیکن مخالفت پورے زور سے رہی عوام کے علاوہ آپ کے والدین اور چھوٹا بھائی بھی زمرۂ مخالفین میں شامل تھے۔ البتہ بڑے بھائی مخالف نہ ہوئے۔ ایک روز آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو کیوں برا کہتے ہیں؟ وہ پہلے سے زیادہ نمازی ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب کو جن کا دعویٰ مہدی ہونے کا ہے مان لیا ہے۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ امام مہدی کے معنی ہدایت یافتہ لوگوں کے امام کے ہیں۔ ان کے ماننے سے میرے بیٹے کو زیادہ ہدایت نصیب ہوگئی ہے جس کا ثبوت اس کے عمل سے ظاہر ہے اور مولوی صاحب کو اپنی بیعت کا خط لکھنے کو کہا۔ آپ (دعوت الی اللہ) میں مصروف رہے اور ایک سال کے اندر والد صاحب، چھوٹا بھائی اور دونوں بھاوجوں نے بھی بیعت کرلی اور بڑے بھائی صاحب نے خلافت احمدیہ اولیٰ میں بیعت کرلی۔

۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء تین سال بقاپور میں ہر طرح کے مالی اور بدنی ابتلاؤں کے گزرے۔ کئی کئی دن فاقہ کشی تک نوبت پہنچی''۔ (رفقاء احمد: جلد ۱۰: ص: ۲۱۵)

حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

نام: آپ کا پہلا نام ہریشچند رموہیال تھا۔ سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

ولدیت: مہتہ گورانداتہ مل صاحب

پیدائش: یکم جنوری ۱۸۷۹ء بمقام کنجروڑ دتاں تحصیل شکرگڑھ ضلع گورداسپور

قوم: آپ موہیال قوم کی موہن شاخ سے ہیں۔

قبول احمدیت: ۱۸۹۵ء

وفات: ۵ اور ۶ جنوری ۱۹۶۰ء کی درمیانی شب

اولاد: آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔

اللہ کی راہ میں قربانیوں کا سفر

آپ کے زمانہ میں پرائمری سکول میں ایک کتاب ''رسوم ہند'' نصاب میں شامل تھی۔ اس کو پڑھ کو آپ پر دین حق کی صداقت کافی حد تک آشکارا ہوگئی۔ اور آپ کو بت پرستی سے نفرت ہوگئی۔

وہ عاشق ہے کہ جس کو حسب تقدیر
محبت کی کماں سے آ لگا تیر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ آپ کی دستگیری فرمائی اور آپ نے دو سچے خواب دیکھے جس سے آپ کی مزید تسلی ہوگئی اور آپ کا تعلق مسلمان ہم جماعتوں کے ساتھ بڑھ گیا نماز باجماعت اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا نظارہ آپ کے دل میں گھر کر گیا اور خدا کے سامنے عجز وانکسار کے یہ اسلوب آپ کو بہت اچھے لگے۔ اذان سے آپ کو گویا نشہ آنے لگتا تھا۔ اسی عرصہ میں ۱۸۹۴ء میں سورج چاند گرہن کا نشان پورا ہوا تو ایک روز آپ کے ایک استاد ہیڈ ماسٹر مولوی جمال الدین صاحب نے کہا کہ مہدی آخرالزمان کی اب تلاش کرنی

چاہیے۔ کیونکہ ان کے ظہور کی بڑی علامت آج پوری ہو چکی ہے اُس وقت آپ مڈل میں تعلیم پا رہے تھے۔ اِس پر آپ کے دل میں شدید تڑپ پیدا ہوئی۔ آپ نے دعائیں کرنی شروع کر دیں۔ آپ کی خوش قسمتی کہ آپ کے سکول واقع چونیاں ضلع لاہور (حال قصور) میں حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کے ایک رشتہ دار سید منیر حیدر صاحب جو کہ ڈاکٹر تھے چونیاں تبادلہ ہو کر آ گئے اور آپ کے ایک بیٹے سید بشیر حیدر آپ کے کلاس فیلو بنے اور اس طرح اس گھرانے سے آپ کے تعلقات شروع ہوئے اور آپ نے ان کے ساتھ عبادات بجا لانا شروع کر دیں۔ اس کی اطلاع جب آپ کے چھوٹے بھائی کے ذریعہ آپ کے گھر والوں کو ہوئی تو انہوں نے چونیاں سے آپ کو ایک عزیز کے پاس پکے ماڑی ضلع لائل پور (فیصل آباد) بھجوا دیا آپ کے چونیاں کے مخلص دوست آپ کو دعوت الی اللہ پر مشتمل خطوط لکھتے رہے مگر والد صاحب کو یہ بھی ناگوار ہوا اور انہوں نے آپ کو آپ کے چچا چوہدری جیون مل کے پاس بھیج دیا کہ جہاں قریب قریب آبادی کا کوئی نام ونشان نہ تھا وہاں آپ جنگل میں نکل جاتے اور خدا کے حضور خوب دعائیں کرتے۔ پھر آپ کے والد صاحب کا تبادلہ پکے ماڑی سے ۶۲ چک ہو گیا اور آپ کو واپس بلوا لیا گیا۔ والد صاحب نے سختی سے حکم دیا کہ دوستوں کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ بند کر دو۔ آپ پر یہ بڑا بھاری صدمہ تھا۔ وہاں پر آپ کو سید بشیر حیدر صاحب کا ایک خط ملا جو کہ آخری پیغام دعوت الی اللہ کا ثابت ہوا۔ اپنے حالات کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

’’میں نے غیر مشروط الفاظ میں مکرم سید بشیر حیدر صاحب کی خدمت میں ان کے خط کے جواب میں لکھ دیا کہ:۔

’’میں پندرہ روز کے اندر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا اس میں تخلف ہرگز نہ ہو گا اور اگر میں اس عرصہ میں نہ پہنچوں تو آپ یقین کر لینا کہ ہریش چندر دنیا کے پردے پر زندہ موجود نہیں‘‘۔ بس والسلام

...... خط ......لکھا بھی گیا اور چلا بھی گیا۔ مگر اس میں مندرجہ وعدہ کے ایفا کا کوئی سامان......محض ایک وہم اور جنون تھا۔ نہ صرف یہی تھا کہ سامان کوئی نہ تھا بلکہ اس کی مخالفت خود میرے والدین فرما رہے تھے اور اپنی ساری توجہ اور پورا زور اس بات پر خرچ کر رہے تھے کہ کسی طرح میرے دل سے باہر جانے کے خیال کو بالکل ہی نکال دیں۔ چنانچہ کبھی کبھی میں نے بیکاری کا شکوہ کر کے عرض کی تو مجھے کبھی محبت اور نرمی سے اور کبھی ناراضگی اور خفگی سے یہی جواب ملا کہ یہ خیال دل سے نکال دو۔ ہمیں نوکری کی ضرورت نہیں گھر میں پرماتما نے بہت کچھ دے رکھا ہے اس کو سنبھالو اور بھائی بہنوں کے ساتھ مل کر خوشی سے کھاؤ پیو اور اگر کام کا بہت ہی شوق ہے تو ہمارے کام میں ہماری مدد کرو۔ وغیرہ۔

دن ایک ایک کر کے گزرنا شروع ہوئے اور جوں جوں وہ گزرتے جاتے میری بے قراری اور اضطراب بڑھتا جاتا......۔ آنے والی خیالی مصیبت کے خیال کا دل پر گہرا اثر تھا جس کی وجہ سے خوشی آہستہ آہستہ دل سے نکلتی جا رہی تھی اور اس کی بجائے غم والم اور اداسی و افسردگی جگہ لے رہے تھے کھانے سے رغبت رہی نہ پینے کا شوق باقی رہا۔ گھر میں دودھ دہی کی افراط تھی جس کا میں بچپن سے شوقین تھا۔ مگر اب باوجود والدہ صاحبہ کے تقاضا کے میں نہ پیتا۔ مرغ میں نے بکثرت پال رکھے تھے ان کی داشت سنبھال کا بھی قصہ چک گیا اور کتے بلی کا وہ شکار ہونے لگے۔ رات چین نہ آتا اور کروٹ لیتے یا ستارے گنتے کٹنے لگی اور ان باتوں کا اثر میری جسمانی صحت پر پڑنے لگا اور میرے دلی درد کی ترجمانی میرا چہرہ اور باقی اعضاء کرنے لگ گئے۔ والدہ محترمہ گھر میں ہوتیں میری حرکات اور بے قراری و بے تابی کا معائنہ فرمایا کرتیں اور چونکہ وہ عورت ذات تھیں ان کا دل فطرتاً نرم تھا میرے ان حالات کا ان کے دل پر اثر ہوتا اور کبھی کبھی والد صاحب کو میرے متعلق فرمایا کرتیں۔

''اِسے کیا ہو گیا ہے یہ تو دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے کھاتا ہے نہ پیتا ہے بلکہ دن رات رو رو کر کچھ پڑھتا رہتا ہے اسے جہاں کہتا ہے کیوں نہ بھیج دیں''۔

گویا اُس وقت آپ کی والدہ کی وہی کیفیت تھی جو کہ حضرت باوانانک کے والد صاحب کی حضور نے ان اشعار میں بیان فرمائی ہے۔

میں حیراں ہوں تیرا یہ کیا حال ہے
وہ غم کیا ہے جس سے تو پامال ہے؟
نہ وہ تیری صورت نہ وہ رنگ ہے
کہو کس سبب تیرا دل تنگ ہے؟
مجھے سچ بتا کھول کر اپنا حال
کہ کیوں غم میں رہتا ہے اے میرے لال؟

''مگر والد صاحب توجہ نہ فرماتے اور بات کو ٹال دیا کرتے۔

ہوتے ہوتے ایک ہفتہ گزر گیا۔ آٹھ، نو، دس، گیارہ، بارہ بلکہ تیرہ دن گزر گئے۔ مگر میری مشکل کشائی کا کوئی سامان نظر نہ آیا۔......اور مجھ پر انتہائی اضطراب بے قراری اور بے چینی مسلط ہوگئی اور ایسا ہوا کہ مایوسی کا غلبہ ہوگیا اور میں سرِشام ہی چھت پر جا کر لیٹ گیا۔ مجھے لیٹے ابھی چند ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ میرے کان میں والد صاحب کی آواز پڑی جن کے ساتھ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی اجنبی گھوڑا گھوڑی ہے۔ والد صاحب نے گھوڑی کو باہر چھوڑا اور خود اندر تشریف لائے۔ والدہ صاحبہ نے اس گھوڑی کے متعلق پوچھا کس کی ہے اور کیوں آئی ہے؟ میں نے بھی کان لگا کر والدین کی باتوں کو سننے کی کوشش کی اور میری خوشی کی کوئی انتہا باقی نہ رہی جب میرے کان میں یہ آواز پڑی کہ گھوڑی لایا ہوں۔ تمہارے پلوٹھے کو نوکری کے واسطے بھیجنے کی غرض سے اور بروالا بھی بلوایا ہے اس کے واسطے روٹی ووٹی پکاؤ تا رات ہی کو بھیج دیں کیونکہ گرمی کا موسم ہے دن بھر سفر نہ ہو سکے گا۔ راستہ میں پانی وغیرہ بھی نہیں ملتا۔ وغیرہ۔

میں یہ خبر سن کر اچھل پڑا۔ نیچے اُتر آیا اور تجاہل عارفانہ کے طریق پر والد صاحب

سے گھوڑی کے متعلق پوچھنے لگا۔ جس کے جواب میں والد صاحب نے مجھے بھی وہی کچھ فرمایا جو والدہ سے کہا تھا...... قربان جاؤں میں اپنے قادر مطلق خدا کے............ میرے وہم میں بھی کوئی بات نہیں آ سکتی اور ڈھونڈ کر بھی میں وہ اسباب نہیں معلوم کرسکتا جن کے نتیجہ میں میرے والد صاحب کے دل پر ایسا تصرف ہوا کہ کل تک جس بات سے وہ باوجود درخواستوں کے انکار اور انکار پر اصرار کرتے تھے آج کس وجہ سے خود بخود اس کیلئے سامان کرلائے۔ کس چیز نے ان کے دل کو پھیرا وہ صرف اور صرف خدائے واحد و یگانہ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا ورنہ اور کوئی سامان اس کے لئے ہرگز ہرگز موجود نہ تھے۔ والدہ محترمہ نے جلد جلد کچھ میٹھی روٹیاں، حلوہ اور انڈے تیار کئے اور میں جو پہلے ہی کمربستہ تھا جلدی جلدی کپڑے سمیٹ بستر باندھ تیار ہوگیا۔ بروالے کے آنے میں کچھ دیر ہوئی اتنے میں مَیں اپنے بھائی بہنوں کو ایک ایک کر کے گلے لگا کر پیار کرنے لگا اور ایسا ہوا کہ میرا دل ان خیالات کی وجہ سے جو میرے دل میں موجزن تھے بھر گیا۔ جدائی بلکہ دائمی جدائی کے خیال سے میں ایسا متاثر ہوا کہ ضبط نہ کرسکا اور باوجود اس خطرہ کے کہ اس وقت کی بے صبری نہ معلوم کیا بنا دے گی پھوٹ پھوٹ کر رویا اور گھر میں ایسا کہرام مچا کہ گاؤں والے گھبرا کر خیریت پوچھنے کو دوڑے۔ بروالے نے آواز دی اور میں دل کو تھام کر روتے ہوئے بھائی بہنوں اور غمگین ماں باپ کو خدا کے لئے گویا ہمیشہ کے واسطے چھوڑ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور تک جا کر والد صاحب اور چھوٹے بھائی نے الوداع کہی وہ واپس لوٹے اور میں جلد جلد اپنا سفر کاٹنے لگا۔ چلتے چلاتے رات کے بارہ بج چکے ہونگے اور یہ رات پانچ اور چھ جون ۱۸۹۵ء کی درمیانی رات تھی۔ جب میں گھر سے خدا کی رضا اور اس کے دین کی تلاش میں نکلا اور سات جون کا دن وہ آخری دن تھا جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے میری قلم سے میرے ایک حقیقی دوست کے نام لکھوایا ہوا تھا...... چک نمبر ۶۲ بھاگو وال سے ڈچکوٹ اور وہاں سے گوگیرہ پہنچنا تھا۔ میلوں کا تو مجھے حساب نہیں مسافت دور کی

تھی راستہ خوفناک تھا۔ چوروں کا خطرہ اور پانی کی قلت تھی۔ ...... خدا خدا کر کے (اگلے دن) شام سے پہلے ہی پہلے بلکہ عصر کے وقت ہم لوگ گوگیرہ کی بستی میں پہنچ گئے۔ جہاں سے یکے پر سوار ہو کر ریلوے اسٹیشن کو روانہ ہو گیا...... (رات اسٹیشن پر ہی گذار کر) میں نے چھانگا مانگا کا ٹکٹ خرید لیا اور گاڑی میں سوار ہو کر خدا کی طرف جھک گیا کیونکہ ہر ضرورت اور حاجت میں اسی کو سچا دستگیر اور راہبر یقین کرتا تھا۔ چھانگا مانگا کا سٹیشن آیا میں گاڑی سے اُترا۔ ایک یکّے میں سوار ہو کر چونیاں کو روانہ ہوا اور چونیاں پہنچ کر چونگی خانہ کے متصل یکّہ سے اتر ہی رہا تھا کہ میرے کان میں یہ آواز آئی۔ بھائی جی خوب آئے۔ سید بشیر حیدر یہیں ہیں۔ ...... خدائے بزرگ نے جس طرح خود ہی مجھ سے پندرہ روزہ عہد کرایا تھا ویسے ہی اس پاک ذات نے اس کے ایفا کیلئے بالکل عجیب در عجیب اور خاص الخاص سامان بھی میسر فرمائے ...... میں سید بشیر حیدر صاحب سے ملا اور دوسرے بچھڑے ہوئے دوستوں سے بھی ملاقات کی۔ دو یا تین روز کے بعد سید بشیر حیدر صاحب سیالکوٹ چلے گئے اور میں ایک دو روز کیلئے چونیاں ٹھہرا۔ (حضرت بھائی صاحب کچھ عرصہ مختلف مقامات اور شہروں میں تلاش روزگار کے سلسلہ میں گھومنے پھرنے کے بعد سیالکوٹ پہنچے) سیالکوٹ پہنچ کر سید بشیر حیدر صاحب کی تلاش کی جوان دنوں ٹبہ ککے زئیاں کی جمعہ مسجد کے بالمقابل ایک موروثی بالا خانے میں قیام پذیر تھے۔ میں بالا خانے کی بیٹھک میں ٹھہر گیا جو مردانہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ .... غرض اس طرح اس بالا خانے پر مجھے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الف الف الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچ گیا اور حضور کا کلام بھی مجھے میسر آ گیا جس کو میں نے شوق سے پڑھا اور وہ میرے دل و جان میں رچ گیا۔ ......

سیدنا مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام معجز بیان پڑھنے کے بعد میرے دل میں ایک نیا نور معرفت اور عرفان پیدا ہو گیا۔ ابھی تک مجھے نماز نہ آتی تھی مگر اب میں نے سبقاً سبقاً دو تین روز میں نماز یاد کر لی اور باقاعدہ نماز پڑھنا بھی شروع کر دیا''۔

اب ایمان چھپانا ممکن نہیں

''چند ہی روز بعد میں نے سید بشیر حیدر صاحب سے کہا کہ اب میں اپنے ان خیالات کو چھپا نہیں سکتا اور چاہتا ہوں کہ اظہار (دین حق) کر دوں۔ یہ سن کر سید صاحب جو دل سے چاہتے تھے مگر مجھے زبانی کبھی کچھ نہ کہتے تھے خوش ہوئے اور فوراً جا کر حضرت سید میر حامد شاہ صاحب کے پاس ماجرا عرض کر دیا۔ انہوں نے وقت دے کر مجھے بلوایا۔ میں میر حامد شاہ صاحب کے مکان پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محبت اور اخلاص سے پیش آئے اور میری زبان سے میری غرض ومقصد سن کر مجھے قریباً ایک گھنٹہ تک نہایت موثر پیرایہ میں تلقین فرماتے رہے۔ شاہ صاحب نے مجھے یقین کے ہر سہ مدارج کے متعلق کھول کر سنایا اور میرے علم میں بہت قیمتی معلومات کا اضافہ فرمایا۔ مگر اظہار (دین حق) کے متعلق مجھے یہ مشورہ دیا کہ آپ کے بعض رشتہ دار چونکہ یہاں ہیں (میرے بعض رشتہ دار پولیس اور دوسرے محکمہ جات میں معزز عہدوں پر تھے) لہذا اندیشہ ہے کہ وہ لوگ روک ڈالیں گے یا شور وشر کر کے فساد برپا کریں گے۔ بہتر ہو کہ تم قادیان چلے جاؤ۔...... میں اسی شام کی گاڑی سے تن کے تینوں کپڑے لیکر روانہ قادیان ہو گیا...... میری شکل و شباہت ابھی ہندوآنہ تھی لہذا بازار کے لوگ جب میں ان سے مرزا صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کرتا تعجب کرتے اور مجھے پکڑ کر بٹھا لیتے اور غرض وغایت اور مقصد دریافت کرنے کے درپے ہو جاتے۔ چنانچہ بڈھے شاہ کی سہ منزلہ دوکانات سے لے کر چوک تک پہنچتے پہنچتے مجھے دس جگہ روکا گیا ہوگا۔ جہاں سے میں کسی نہ کسی طرح دامن چھڑا کر آگے ہی آگے چلتا گیا۔ سارے ہندو بازار میں چرچا ہو گیا اور جا بجا باتیں ہونے لگیں۔ لوگوں نے مجھے روکنے میں پورا زور صرف کیا اور بعض تو ہاتھ پکڑ کر بیٹھ رہتے تھے مگر میں

جان گیا کہ یہ لوگ روکنا چاہتے ہیں۔ آخر زور سے پلا چھڑا چھڑا کر خدا خدا کر کے چوک میں پہنچا جہاں میاں علی بخش اور نبی بخش دو بھائیوں کی عطاری کی دوکان تھی ان سے دریافت کیا تو انہوں نے راستہ بتایا ورنہ ہندو کسی ایک نے بھی مرزا صاحب کے مکان کا راستہ نہ بتایا تھا......(حضور سے آپ کی ملاقات ہوئی تو عرض کیا) حضور میں تو مدت ہوئی دل سے احمدی ہوں۔ نماز مجھے آتی ہے اور پڑھتا ہوں۔ حضور کی کتاب انوارالاسلام اور نشان آسمانی میں نے اچھی طرح سمجھ کر پڑھی ہیں۔ مجھے دین حق کا شوق ہے۔ میں جوان ہوں نابالغ نہیں۔ وغیرہ

اس پر اللہ تعالیٰ نے میرے آقائے نامدار کو انشراح بخشا اور حضور پرنور نے مجھے قبول فرما کر کلمہ پڑھایا اور داخل سلسلہ کیا۔ **فالحمدللّٰہ الحمدللّٰہ**"۔

(حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن قادیانی۔ صفحہ ۳۵ تا ۴۸)

آزمائش اور ابتلاؤں کا دور اپنے والدین کی طرف سے

"اب آپ کی مخالفت اور ابتلاؤں کا دور تھا۔ یہ داستان روح کو لرزا دینے والی ہے۔ حضرت بھائی جی فرماتے ہیں:۔

"خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ ایک باریک لمبا سانپ میری طرف آ رہا ہے اور جب وہ میرے قریب آیا تو حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایک لاٹھی اس کو ماری مگر وہ لاٹھی کے نیچے سے بالکل صفائی کے ساتھ زندہ نکل کر سیدھا میری طرف بڑھا اور میرے جسم کے گرد لپٹ گیا" اس نظارہ اور سانپ کے میرے جسم کے گرد لپٹ جانے کی وجہ سے مجھ پر ایسی گھبراہٹ اور پریشانی وارد ہوئی کہ میں نیند سے ایسا چونک کر اٹھا کہ مولوی صاحب موصوف نے بھی میری بیداری کو غیر معمولی گھبراہٹ زدہ محسوس کیا۔"

والد صاحب کی آمد۔واپس لے جانے کا پروگرام

''اٹھا' استغفار کیا اور وضو کر کے دو چار نفل پڑھے ہوں گے کہ صبح کی اذان ہوگئی۔ صبح کی نماز ادا کی اور واپس آ کر اپنا قرآن شریف جو کہ حضرت اقدس کے کتب خانہ میں پیر جی سراج الحق صاحب کے پاس (مطب کے شمال مشرقی کونہ کی کوٹھڑی) رکھا تھا لیکر اپنی چٹائی اٹھانے کو تھا تا مطب کے اوپر چھت پر جا کر تلاوت کروں کہ پیر جی سراج الحق صاحب نعمانی مجھ سے فرمانے لگے۔''میاں عبدالرحمٰن! ہمارا ایک کام تو کر دو اور ساتھ ہی ایک منی آرڈر فارم اور کچھ روپے دیکر فرمایا۔ یہ منی آرڈر کر آؤ''۔...... جب میں ڈاک خانہ پہنچا اور اس کے کھلے دروازہ کے سامنے کھڑا ہوا تو دیکھتا ہوں کہ میرے والد صاحب اس آریہ ماسٹر کے پہلو میں بیٹھے ہیں۔ میں اس نظارہ سے جو اچانک پیش آیا ایک سکتے کے عالم میں تھا اور طبیعت نے ابھی فیصلہ نہ کیا تھا کہ قدم آگے اٹھاؤں یا پیچھے کہ والد صاحب مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے لپٹ گئے۔ چھاتی سے لگایا اور پیار کیا' دلاسا دیا اور میری تسلی کیلئے فرمانے لگے۔''بیٹا تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ جب تمہارے دل کو یہی بات پسند ہے تو کون روک سکتا ہے۔خوش رہو اور جہاں چاہو رہو۔ مگر تم گھر سے آئے پھر اطلاع نہ دی۔ ہم لوگ تمہاری تلاش میں سرگردان پھرے۔سینکڑوں روپیہ برباد ہوا۔تمہاری ماں روتے روتے اندھی ہوگئی اور تمہارے عزیز بھائی' بہنیں جدائی کی وجہ سے بیتاب اور نیم جان ہیں۔ایک مرتبہ چل کر ماں کو مل لو شائد ان کی بینائی بچ جائے اور بھائی بہنوں کو پیار کر لو کہ وہ تمہارے نام کو ترستے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ...... میں اچانک والد صاحب کی گرفت میں آ جانے کی وجہ سے ابھی پریشان اور بالکل خاموش تھا۔ چند منٹ بعد سنبھلا تو عرض کیا چلیں'' (چنانچہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے)

والد صاحب کی درخواست اور حضور کا فیصلہ

''قریباً نصف گھنٹہ تک حضور نے والد صاحب کے معروضات نہایت توجہ سے سنے اور دوران گفتگو میں حضور ٹہلتے رہے۔ کہیں کہیں ان کی دلجوئی اور تسلی کیلئے بعض ناصحانہ فقرات فرماتے اور بعض غلط خیالات کا ازالہ بھی فرماتے رہے۔ جب میرے والد صاحب دل کھول کر سب کچھ عرض کر چکے تو سیدنا حضرت اقدس نے مجھے الگ لیکر جا کر پوچھا۔ ''میاں عبدالرحمٰن تمہاری کیا مرضی؟''

چونکہ والد صاحب کے ساتھ میں بھی حضرت کے ساتھ ساتھ ٹہلتا اور تمام باتیں سنتا رہا اوران کی غرض وغائت اور مقصود کا مجھے علم ہو چکا تھا۔ میں نے نہایت ادب سے حضرت کے حضور عرض کیا۔

> ''حضور میں دل سے (احمدی) ہوں اور حضور کی غلامی کی سعادت اللہ پاک نے مجھے محض اپنے فضل سے بخش دی ہے۔ بے شک والدین اور بھائی بہنوں کی محبت میرے دل میں بے حد ہے۔ مگر میں ابھی جانا نہیں چاہتا کیونکہ میں نے (دین) کے متعلق کچھ بھی نہیں سیکھا۔''

میری یہ عرض سن کر حضور نے میرے والد صاحب کو بلا کر فرمایا:۔

> ''ہم ابھی عبدالرحمٰن کو آپ کے ساتھ نہیں بھیج سکتے۔ بہتر ہے کہ آپ کو اگر فرصت ہو تو ہفتہ دو ہفتہ ان کے پاس ٹھہریں اور اگر آپ ملازمت کی وجہ سے نہ ٹھہر سکیں تو ان کی والدہ اور بھائی بہنوں کو یہاں بھیج دیں۔ وہ ان کے پاس جتنا عرصہ چاہیں ٹھہریں ان کی آمدو رفت اور بودوباش کے اخراجات ہمارے ذمہ ہوں گے۔''

حضور یہ جواب دیکر اندر تشریف لے گئے۔......ظہر کی اذان ہو چکی یا ہونے والی تھی

میں مطب میں بیٹھا کتاب ''ست بچن'' کی مسل برداری کررہا تھا کہ ایک بچہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے ایک رقعہ لایا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ ''اپنے والد صاحب کے دستخطوں سے اس مضمون کی ایک نقل کروا کر ہمیں بھیج دو اور تم اپنے والد صاحب کے ساتھ چلے جاؤ''۔

بچے کے منہ سے زبانی پیغام کے الفاظ نکلے اور میرے دل و ماغ میں بیٹھے۔ مگر ان الفاظ کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ دوبارہ اور سہ بارہ پوچھا مگر بچے نے الفاظ ایسے رٹے ہوئے تھے کہ تینوں مرتبہ وہی الفاظ اسی ترتیب سے دہراتا رہا۔ آخر میں نے حضور کا وہ فرمان کھولا پڑھا اور حقیقت مجھ پر آشکارا ہوئی۔ فرمان کا خلاصہ مطلب میرے اپنے الفاظ میں حسب ذیل تھا:۔

''میں فلاں ابن فلاں جو کہ میاں عبدالرحمٰن سابق ہریش چندر کا والد ہوں۔ باقرار صالح پرمیشور کے نام کی قسم اٹھا کر جو کہ میرا پیدا کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امر کا پختہ اقرار اور پکا وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے لڑکے عبدالرحمٰن سابق ہریش چندر کو دو ہفتہ کے لئے اپنے ساتھ وطن کو لے جاتا ہوں تا کہ اس کی غمزدہ والدہ اور ننھے ننھے بھائی بہنوں کو جو اس کی جدائی کے صدمہ سے بے قرار اور جان بلب ہیں ملا دوں۔ میں پرماتما کے نام سے یہ بھی پیمان کرتا ہوں کہ عزیز کو راستہ میں یا گھر لے جا کر کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اور دو ہفتہ کے بعد حسب وعدہ صحیح وسلامت قادیان واپس پہنچا دوں گا۔'' (دستخط)

(مہتہ گوراندتہ مل موہن بقلم خود)

میں نے اس مضمون کو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حضرت اقدس کے پہلے فیصلہ پر میں خوش تھا۔ مگر اب مجھ پر اداسی اور پژمردگی چھا گئی اور دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے لگے۔ جی میں آیا کہ قبل اس کے کہ والد صاحب واپس آویں۔ اور اس فیصلہ کا ان کو

علم ہو۔ میں کسی طرف نکل جاؤں کیونکہ میں جانتا تھا کہ والد صاحب مصلحت وقت کی وجہ سے نرم تھے۔ ورنہ وہ میرے (دین) کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف میں ڈالیں گے اور میرا یہ اندیشہ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ شائد وہ مجھے زندہ ہی نہ چھوڑیں گے اور اس خیال کی تائید میں میرے اپنے گھرانے کے بعض پرانے واقعات میرے سامنے آن موجود ہوئے اور میں نے یقین کرلیا کہ آج ایک بھاری امتحان اور کٹھن گھاٹی میری راہ میں سدسکندری آن بنی ہے۔ جس سے سلامت نکل جانا میری طاقت سے بالکل باہر ہے۔ ایسے مشکلات میں مجھے پہلے بھی خدا کی طرف جھکنے کی عادت تھی۔ مگر قادیان کی زندگی اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی وجہ سے دعا کی اور زیادہ عادت ہوگئی تھی۔ آخر میں چند منٹ کیلئے تنہائی میں چلا گیا اور خدا کے حضور جھک کر گڑ گڑایا اور اس سے امداد چاہی۔ جس کے نتیجہ میں میرا بیٹھتا ہوا دل اور ٹوٹی ہوئی کمر قوی ہوگئے اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایک سکینت اور اطمینان نازل کردیا''۔

والد صاحب کا اقرار نامہ

''بہرحال والد صاحب آئے میں نے وہ فرمان ان کو دیدیا جس کو پڑھ کر انہوں نے قلم دوات لی اور قلم برداشتہ ایک بہت مضبوط معاہدہ لکھ کر دے دیا جو سیدنا حضرت اقدس کے الفاظ سے بھی کہیں زیادہ قوی اور حلف سے موکد تھا۔ والد صاحب نے بجائے پرمیشور کے نام کی سوگند کے الفاظ لکھنے کے شروع ہی ان الفاظ سے کیا کہ:۔

''میں فلاں ابن فلاں خدائے وحدہ لاشریک کے نام کی قسم اٹھا کر یہ اقرار کرتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ''

والد صاحب کی تحریر پختہ تھی کیونکہ وہ خوشنویس اور پکے منشی تھے۔ فارسی زبان میں ان کو خاص مہارت تھی، جس کی وجہ سے مضمون نویسی اور انشا پردازی کا ملکہ ان میں تھا۔ ان

کا تحریر کردہ معاہدہ سیدنا حضرت اقدس کے حضور پہنچا۔ حضور نے ملاحظہ فرما کر محفوظ کر لیا اور مجھے پھر حکم بھیج دیا کہ ''تم اب اپنے والد صاحب کے ساتھ چلے جاؤ'' والد صاحب نے وہ معاہدہ سرِ عام لکھا جس کا علم تمام دوستوں کو ہو گیا اور اب عام چرچہ ہو گیا کہ عبدالرحمٰن کو اس کے والد صاحب ساتھ لے جائیں گے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب گھر میں تھے۔ ان کو بھی اطلاع ہو گئی۔ حضور کے اس فیصلہ کا اثر ہمارے ڈیرہ میں گونہ غم اور افسردگی کے رنگ میں اور ہندو بازار اور ہندو گھرانوں میں خوشی و شادمانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بعض دوستوں نے گھبراہٹ تک کا بھی اظہار کیا اور اس فیصلے کو اپنی شکست سمجھ کر مغموم بھی ہوئے۔ مگر فیصلہ چونکہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اس وجہ سے کسی کو مجالِ سخن نہ ہوئی اور سب نے میرے ساتھ مل کر سرِ تسلیم خم کیا''۔

خدا کے جو ہیں وہ یہی کرتے ہیں
وہ لعنت سے لوگوں کی کب ڈرتے ہیں

حضرت بھائی جی فرماتے ہیں:۔

''...... الغرض میں اپنے آقا، اپنے ہادی و راہنما، اپنے پیشوا و مقتدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے والد صاحب کے ساتھ قادیان کی مقدس بستی سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میرا دل غمگین اور اداس ہے۔ آنکھیں آنسو نہیں خون ٹپکا رہی ہیں اور سچ مچ میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ گھر کو نہیں ماں اور بھائی بہنوں کی طرف نہیں بلکہ موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہوں۔ میرے قدم لڑکھڑاتے ہیں اور بجائے آگے اُٹھنے کے پیچھے کو پڑتے ہیں۔ ...... اس طرح میں اس نہایت ہی پیاری بستی سے بادل ناخواستہ رخصت ہو گیا۔ آہ!''

والد صاحب کا مصروف کرنا

حضرت بھائی جی اپنے والد صاحب کے ہمراہ جب گاؤں پہنچے تو وہاں پر گزرنے والے

حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’’میرے والدین دن رات اسی فکر میں غلطان رہتے تھے کہ کسی طرح سے میرے دل سے درختِ ایمان کو کھود باہر پھینکیں اور قادیان والوں کی یاد میرے دل سے محو کر دیں۔جس کیلئے وہ نت نئے سامان اور ارادہ سے کھڑے ہوا کرتے تھے اور ایک ہتھیار کو غیر موثر اور بیکار پا کر دوسرے کا استعمال شروع کر دیتے تھے۔اب انہوں نے بہت ہی سوچ بچار کے بعد مجھے اپنے کام میں معاون بنا کر بے حد مصروف کر کے میری توجہات کو دوسری طرف لگا دینے کا فیصلہ کیا اور اپنی کمزوری، ہم وغم اور کثرت کار کے تذکرے میرے کانوں میں ڈال کر مجھے فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کام میں مدد دیا کروں۔ چنانچہ میں والد صاحب کے ساتھ گشت پر جانے لگا۔گرداوری اور پیمائش کے علاوہ اصول وارہ بندی اور زمیندار و حکام سے میل ملاقات کے فرائض کی انجام دہی میں لگا رہا اور تھوڑے ہی دن کے بعد والد صاحب کو میں نے قریباً فارغ کر دیا۔تنہا کام چلانے کے قابل ہو گیا اور چونکہ اس میں مجھے گونہ آزادی حاصل تھی۔ میں اپنے دینی فرائض کی تکمیل کے واسطے کافی موقعہ پاتا تھا۔ میں نے اس کام میں زیادہ ہوشیاری و محنت اور انہماک وشغف کا ثبوت دیا۔جس سے والد صاحب بہت خوش اور متاثر ہوئے اور میری قابلیت و واقفیت کا خود امتحان کرنے کے بعد اپنے ایگزیکٹو انجنیئر بہادر کے روبرو پیش کر کے میرا امتحان دلا دیا جس میں مَیں کامیاب نکلا۔

کام میں پڑ جانے اور اس کے ذریعہ سے اصل مقصد کے حصول میں آزادی و سہولت میسر آ جانے سے میری دلچسپی بڑھنے لگی اور میں اس ذوق سے کام کرنے لگا کہ اس میں رات دن اور گرمی سردی کا احساس بھی مجھے نہ رہتا اور جب کام سے واپس گھر پہنچتا والدین اور بھائی بہن مجھے ہاتھوں ہاتھ لیتے اور آنکھوں پر بٹھاتے اور خلاف معمول میری

خاطر مدارات بلکہ عزت واحترام کا سلسلہ جاری ہوگیا اور عجب نہ تھا کہ شیطان اسی راہ سے کامیابی کا منہ دیکھ پاتا اور ہوتے ہوتے اصل مقصد و مدعا میری نظروں سے اوجھل ہو جاتا کیونکہ اس طرح مجھ پر دنیاداری کا ایک رنگ چڑھنے لگا تھا۔ تعریف وتوصیف کی وجہ سے میرے خیالات کسی اور طرف کو بہنے لگے اور اگرچہ میں نے زیادہ دلچسپی وانہماک اس کام میں ابتداءً محض فرائض دینی کی ادائیگی میں آزادی وسہولت کے باعث دیا تھا مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ شیطان ایسے باریک در باریک رنگ اور نہاں در نہاں راہوں سے آ رہا تھا کہ اگر چندے اور یہی حالات رہتے اور اللہ کریم غیب سے ہمیشہ کی طرح میری دستگیری وراہ نمائی کے سامان نہ فرماتے تو میں اس زہر آلود انگبیں کو شیریں وشفا بخش ہی یقین کرتے ہوئے نوش کر جاتا اور ہمیشہ کیلئے روحانی موت کی نیند سو جاتا۔ قریب تھا کہ والد صاحب کی مساعی مجھے کوئی علیحدہ حلقہ دلا کر مستقل ملازمت دلانے میں کامیاب ہو جاتیں کیونکہ میرے کام میں لگ جانے سے وہ بالکل فارغ اور مطمئن ہوکر افسران متعلقہ تک پہنچ کر کوشش کرنے کیلئے فرصت پاتے تھے اور میرے کام کی عمدگی اور شہرت کا چرچا دوسرے ذرائع سے بھی حکام بالا کے کانوں تک پہنچ چکا تھا۔ اس لئے ان کی طرف سے والد صاحب کو ایسی امیدیں بھی دلائی جا چکی تھیں۔ مگر قربان جاؤں اپنے مولا کریم کے جس نے بچپنے ہی سے خود اپنی رحمت کے ہاتھوں میرے دل میں تخم ایمان بویا۔ خود ہی اسے پودا بنا کر ہمیشہ اس کی آبیاری فرمائی اور ہر بادصرصر کے تھپیڑوں سے اپنا دست رحمت دے کر محفوظ رکھا اور آج بھی اس نے اس سیل ضلالت سے اپنی قدرت نمائی کے ذریعہ بچا کر نجات دی اور یوں ہوا کہ اچانک حکام بالا دست کی طرف سے والد صاحب کے تبادلہ کے احکام پہنچے اور دوسرے حلقہ میں پہنچ کر چارج لینے کیلئے اتنا تھوڑا وقت دیا گیا کہ کسی قسم کی کوشش کا موقعہ ہی نہ تھا۔ ''حکم حاکم مرگ مفاجات'' والی بات۔ سرکاری ملازمت چوں وچرا کی گنجائش نہ تھی۔ ناچار بادل ناخواستہ سفر کی تیاری کرنی پڑی۔ منزل دور تھی اور

سامان زیادہ۔اس کے باندھتے بندھاتے ہی ایک دوروز لگ گئے۔

مرکز واپسی کا موقع میسر آنا

والدین کس خیال میں تھے مگر میرا خدا کسی اور ہی خیال میں تھا۔ان کی تدبیریں کچھ چاہتی تھیں مگر خدا کی تدبیر کچھ اور ہی کرنے والی تھی۔......گھر کی کسی ضرورت کے ماتحت گھر میں کسی بڑی بوڑھی ہم قوم بلکہ اپنی کسی رشتہ دار کی ضرورت لاحق ہوئی۔گھر میں میرے عم زاد بھائی کے علاوہ میرے ایک دور نزدیک کے رشتہ سے چچا بھی موجود تھے۔ان کو بھیج کر پھوپھی یا دادی صاحبہ (رشتہ کی دادی نہ کہ حقیقی) کو منگایا جا سکتا تھا۔مگر قربان جاؤں اپنے آقا پر جو سچ مچ مسبّب الاسباب اور مصرف القلوب بھی ہے۔نہ معلوم اس نے والدین کے دل میں کیا ڈالا کہ انہوں نے میرے عم زاد بڑے بھائی اور چچا صاحب کو چھوڑ کر پھوپھی یا دادی کو لانے کا قرعہ میرے نام نکلوا دیا۔ بھائی بہت متعصب تھے انہوں نے روک بھی ڈالی۔اگرچہ اپنا نام تو پیش نہ کیا۔ چچا صاحب کو بھیجنے کا مشورہ دیا۔مگر درحقیقت ان کی اپنی خواہش تھی کہ وہ جائیں وطن بھی اِدھر ہی تھا۔گھر والوں سے بچھڑے عرصہ گذرا تھا۔ایک پنتھ دو کام،ایک تیر سے دو شکار کرنے کا خیال تھا۔مگر خدا تعالیٰ نے والدین کے دل کو نہ پھرنے دیا اور انہوں نے میرے ہی جانے کا فیصلہ کر کے مجھے روانگی کا حکم دے دیا۔ضروری ہدایات اور مناسب سامان دے کر رخصت کیا۔میں نے سانگلہ ہل ریلوے اسٹیشن سے سوار ہونا تھا اور چونکہ والدین کے اس فیصلہ کے ساتھ ہی میرے دل نے بھی کچھ فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنے ساتھی کو جو گھوڑی لے کر مجھے اسٹیشن تک پہنچانے گیا تھا۔اسٹیشن سے اِدھر ہی رخصت کر دیا تا کہ اس کو یہ علم نہ ہو سکے کہ میں نے ٹکٹ کہاں کا لیا ہے۔گاڑی آنے والی تھی۔ٹکٹ بٹ رہے تھے۔میں بھی بڑھا اور سیالکوٹ کا ٹکٹ لے کر......سوار ہو گیا۔

خدا کے فضل سے سیالکوٹ پہنچا۔(بیت الذکر) میں گیا حضرت حامد شاہ صاحب اور

اپنے واقف کاروں دوستوں سے مل کر رات گزاری اور پھر اللہ کے بھروسے پر قادیان دارالامان کا قصد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر اور خارق عادت رنگ میں غیب سے میری حفاظت وامداد کے سامان کئے اور یوں پھر کم وبیش ۹ ماہ بعد مجھے دارالامان میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدوم میمنت لزوم میں لا ڈالا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جولائی ۱۸۹۶ء کا آخر یا اگست ۱۸۹۶ء کا ابتدائی حصہ ہوگا۔ جب خدا تعالیٰ نے دوبارہ قدرت نمائی سے مجھے زندہ کیا اور محض اپنے فضل سے دارالامان پہنچایا۔ میں اسی زمانہ سے اس واقعہ کو اپنی نشاءۃ ثانیہ یقین کرتا ہوں‘‘۔

میرے واپس لے جانے کے مزید حربے

’’اِدھر چند روز کے انتظار کے بعد جب میری واپسی میں تاخیر ہوگئی تو گھر میں گھبراہٹ شروع ہوگئی اور والدین کو پرانے خدشے تازے ہوکر بے قرار کرنے لگے انہوں نے بذریعہ خطوط ظفروال سے میرے متعلق دریافت کیا مگر جب وہاں سے جواب نفی میں ملا تو وہ بھانپ گئے کہ ان کا لال پھر ان کے ہاتھ سے نکل کر قادیان ہی کی سلک میں پرو دیا گیا۔ اِدھر قادیان کے بعض وہ لوگ جن کو (دین حق اور احمدیوں) سے خدا واسطہ کی عداوت تھی اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہا کرتے تھے کہ کوئی موقع ہاتھ لگے تو ایسا وار کریں جو خالی نہ جائے۔ اور ایسی کاری ضرب لگائیں جس سے یہ سلسلہ نابود اور پاش پاش ہوجائے اور ایسے ہی لوگوں نے پہلی مرتبہ میرے والد صاحب کی امداد وحوصلہ افزائی کی تھی اور گویا انہی کا یہ کارنامہ تھا کہ وہ مجھے قادیان سے واپس بھجوانے میں کامیاب ہوگئے۔ اب یوں مجھے واپس آئے دیکھ کر ان پر کیسے گذرتی ہوگی اور ان کے سینوں پر کیونکر سانپ لوٹتے ہونگے جس کے نتیجہ میں وہ خاموش نہ رہ سکے اور فوراً والد صاحب کو

میرے پھر قادیان آ جانے کی اطلاع کے ساتھ بہت کچھ سخت سست لکھا اور بے حد غیرت دلائی۔ جس پر والد صاحب نے اب اس معاملہ کو برادری میں پیش کر کے قوم سے مدد مانگی اور پہلے جن امور کو وہ غیرت وحمیت کے خیال سے ظاہر کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے اب علی الاعلان کھول کر سنا دینے پر مجبور ہو گئے جس سے برادری کے بعض اکابر نے ان کو امداد دینے کا وعدہ کیا اور والد صاحب کو پھر قادیان پہنچ کر قادیان کے ان خاص لوگوں کو اپنی امداد کیلئے تیار کرنے اور ان سے مشورہ کرنے کو بھیجا۔ چنانچہ والد صاحب کا یہ سفر نہایت خفیہ اور صیغہ راز میں ہوا اور وہ اپنے خیال میں اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ مطمئن، خوش اور اپنی کامیابی کے یقین کے ساتھ لوٹے۔ قادیان کے ان بامذاق لوگوں نے نہ صرف امکان بھر ان کو مدد دینے کے وعدے کئے بلکہ ان کو ایسے مشورے دئے۔ ایسے طریق بتائے کہ جن کی بنا پر والد صاحب اپنی واپسی کو کامیاب واپسی یقین کرتے ہوئے خوش وخرم چلے گئے اور اس طرح میرے واسطے تعزیر کے جو خیالات انہوں نے ابھی سے سوچنے شروع فرما دیئے ان کا ذکر گھر میں کبھی والدہ سے بے ساختہ ہو گیا تو والدہ محترمہ مارے مامتا کے اس خیال ہی سے تڑپ اُٹھتیں اور والد صاحب محترم کو ایسے خیالات اور ارادوں سے مقدور بھر روکنے کی کوشش فرماتیں۔ مگر والد صاحب اپنے ننگ وناموس کے خیال اور غیرت وحمیت کے جذبہ کے ماتحت اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے پر اصرار فرماتے رہے۔

چچا کی ناکام کوشش

ایک روز خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شیخ عبدالعزیز صاحب ...... اپنا قرآن شریف بغل میں دبائے میرے پاس آئے جہاں میں تلاوت کر رہا تھا اور مجھ سے اصرار کیا اور کہا کہ چلو آج بڑی (بیت الذکر) میں چل کر قرآن شریف پڑھیں۔ میں چونکہ ان کے ساتھ ہی رہتا سہتا تھا۔ ان کے تقاضا کو رد نہ کر سکا اور ان کے ساتھ (بیت) اقصیٰ کو اپنا قرآن

شریف لے کر چلا گیا اور صحن سے گذر کر درمیانی در اور محراب کے درمیان بیٹھ کر سر سے پگڑی اتاری اور اس پر قرآن شریف رکھ کر اپنی منزل کی جگہ کو تلاش ہی کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر باہر صحن کی طرف اٹھی کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ایک چچا جن کا نام نامی سردار بسا کھہ سنگھ یا بوجہ اس کے کہ ان کے کیس نہ تھے بساکھی رام سامنے کھڑے جلدی جلدی جوتا اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کو دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا اور میں بھانپ گیا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ میں نے فوراً قرآن شریف کو بند کیا پگڑی سر پر رکھی اور جوتا جو میرے پاس ہی رکھا تھا اٹھا کر چچا صاحب کی طرف بڑھا۔ اتنے میں وہ بھی جوتا کھول کر صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ وسط صحن تک بڑھ کر میں نے سلام کیا۔ انہوں نے چھاتی سے لگا کر پیار کیا اور جب انہوں نے مجھے چھاتی سے جدا کیا میں جلد جلد (بیت الذکر) کے صحن سے باہر ہو گیا۔ انہوں نے بھی جلدی تو بہت کی مگر جوتا پہننے میں لمحہ بھر دیر ہوئی۔ میں (بیت) اقصیٰ کے دروازہ کی طرف لپکا۔ جہاں کیا دیکھتا ہوں کہ شیروں کی مانند تین سفید پوش دراز قد...... جوانمرد کوچہ میں کھڑے ہیں۔ ان کو میں نے پہچانا اور سیڑھیوں سے اتر کر ان میں سے ایک کے ساتھ مصافحہ کیا۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا کہ جس شخص کو میں نے ...... مصافحہ کیلئے ہاتھ دیا تھا۔ اس کی طرف سے مصافحہ کے جواب میں ایک سخت گرفت نمودار ہوئی۔ جس کے ساتھ ہی مجھ پر اس سازش کا انکشاف ہو گیا کیونکہ پاس ہی چوک میں ایک یکہ کھڑا دیکھ لیا۔ اس پر میں نے اس زور سے جھٹکا مارا کہ اس بھاری بھرکم جوان سورما کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میرا ہاتھ چھٹ گیا اور میں وہاں سے بے تحاشہ اپنے ڈیرے کی طرف دوڑنے لگا۔

شان ایزدی کہ میرے چچا صاحب میرے پیچھے تھے اور تین نوجوانوں نے میرا راستہ روک رکھا تھا کہ ایک چوک کی طرف دوسرا ہمارے ڈیرہ کو آنے والی گلی میں اور تیسرا بالکل میرے سامنے تھا گویا میں چاروں طرف سے ایسا گھرا ہوا تھا کہ بچ نکلنا ناممکن تھا۔ مگر قربان

جاؤں خدائے بلند و برتر پر کہ اس نے ایسے نازک مرحلہ پر غیب سے میری مدد فرمائی اور دشمن کے نرغہ سے خارق عادت رنگ میں مجھے رہائی بخشی ورنہ ان کے ارادے ظاہر تھے۔ یکہ تیار کھڑا تھا۔ پکڑنے اور اٹھا کر یکہ میں باندھ دینے کیلئے کافی سے زیادہ انتظام تھا۔ بازار پر دشمن کا قبضہ تھا اور حالات و اسباب کے لحاظ سے حقیقتاً دشمن بالکل مکمل ساز و سامان سے آراستہ اور میں کمزور بالکل یک و تنہا بے یار و مددگار تھا۔ حتّٰی کہ میری فریاد تک کو میرے ہمدردوں تک پہنچانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ نہ جانے مجھ میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ دشمن کا مکر اور گرفت میرے مقابلہ میں کمزور و ہیچ ہوگئی اور وہ سبھی ایسے مرعوب اور سست ہوگئے کہ میں علیٰ رغم انف ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ میں دوڑا اور خوب دوڑا۔ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے اور خوب بھاگے۔ میرے کان آشنا ہیں کہ جب میں ڈپٹی شنکر داس صاحب کی بیٹھک کے برابر بھاگ کر نکلا اور میرے پیچھے تین چار بھاگنے والوں کی دبڑ دبڑ کی آواز نے گلی میں ایک شور بپا کر دیا تو اس گھر کے مکینوں نے کھڑکیوں سے سر نکالے اور اس بھاگڑ کو دیکھ کر خوب ہی ہنسی کی اور مذاق اڑایا۔ میری اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور میں ان کے ہاتھ نہ آیا اور جب (بیت) مبارک کی کوچہ بندی کے قریب پہنچا تو چچا صاحب بزرگوار نے میرا نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ ''بات تو سن لو'' میں نے دوڑتے ہی دوڑتے جواب میں عرض کیا کہ ''چچا ابا چند قدم اور آگے آ جائیں۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے میں سننے کو حاضر ہوں'' کیونکہ اس جگہ سے آگے ہماری اپنی آبادی تھی۔ مگر چچا صاحب محترم نے اس وقت آگے بڑھنا پسند نہ فرمایا اور وہیں سے بے نیل مرام بصد حسرت واپس لوٹ گئے''۔

آسماں سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں
کوئی ہو جائے اگر بندہ فرماں تیرا

''ظہر کی نمار کے بعد غالباً میرے چچا صاحب محترم، میرے چھوٹے بھائی عزیز بابو امرناتھ کو لے کر آئے۔ عزیز کو وہ محض اس خیال سے ہمراہ لائے ہوئے تھے کہ اگر اور کوئی

حربہ کارگر نہ ہوا تو اس ذریعہ سے مطلب براری کی کوشش کر سکیں کیونکہ مجھے عزیز سے بہت محبت تھی اور عزیز بھی چونکہ میری گودیوں کا پلا تھا اس کو مجھ سے بے حد اُنس تھا۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ جب ان کی پہلی تدبیر بیکار ثابت ہوئی تو عزیز کو (جسے انہوں نے ابھی میرے سامنے نہ کیا تھا) لے آئے۔ عزیز میرے پاس آتے ہی زار و قطار رونے لگا اور اس کی بلبلاہٹ اور چیخ و پکار سے فطرتاً میرا دل بھی بھر آیا مگر میں نے دل مضبوط کیا۔ اپنے حواس کو سنبھالا اور دشمن کی اس چال کے شر سے بچنے کیلئے خدا سے مدد مانگی ....تھوڑی دیر میں عزیز کی طبیعت بھی سنبھل گئی اور میں نے اس کے بہلانے کیلئے کئی قسم کے سامان مہیا کر لئے اور ہوتے ہوتے آخر عزیز خوش و خرم ہو کر مجھ سے بے تکلف ہو گیا۔ جسے دیکھ کر چچا صاحب کے دل میں کوئی اور خیال آنے لگا۔ جس کے مدنظر انہوں نے عزیز کو لے جانے کی خواہش کی اور باوجود میرے اصرار کے انہوں نے عزیز کو میرے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور اسے آخر لے کر چلے گئے''۔

ایک اور کوشش

''میرے والدین اور رشتہ داروں کی ایسی کوششوں کے سلسلہ میں ......دوسرا حملہ جو میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے اور متاع (دین) کو چھین لینے کی غرض سے کیا گیا۔ وہ میرے ایک محترم بزرگ چوہدری نتھو رام صاحب زمیندار جاپووال متصل گورداسپور کے ذریعہ تھا جو اپنی میٹھی زبان، شیریں کلامی، نرم طبیعت اور پُر حکمت خصلت کے باعث برادری میں معتبر اور معتمد اور مسلّم تھے اور خیالات کی پختگی، مذہبی معلومات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہوشیار و سمجھدار واقعہ ہوئے تھے۔ اپنی ملازمت سے رخصت حاصل کر کے میرے پاس قادیان پہنچے اور پوری عقلمندی، دانائی اور حسن تدبیر سے میری طبیعت کا مطالعہ کر کے مجھ سے دو دن متواتر نہایت محبت و پیار کے رنگ میں ذکر اذکار میں مصروف رہے۔ میرے دلی حالات کا اندازہ اور قلبی کیفیات کا جائزہ لیا اور اس کے نتیجہ میں ان کا سارا

زور اور ساری توجہ اوّل اوّل تو اس بات پر مبذول رہی کہ (دینی) احکام اور خداوندی فرمان یاد کرا کر مجھے والدین کے حقوق، عزیزوں اور رشتہ داروں سے سلوک وغیرہ اخلاق کی پابندی کرنے کی تاکید اور میرے جذبات کو اُبھار اُبھار کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اس دوران میں ان کا مطالبہ مجھ سے صرف یہی تھا کہ جو بات تمہیں پسند آ گئی ہے اور جس چیز کو تم صداقت یقین کرتے ہوئے ہم سے جدا ہوئے ہو، بے شک اسی پر قائم رہو۔ ہم اس میں ہرگز ہرگز روک ڈالنا پسند نہیں کرتے مگر خون آخر خون ہے۔ سوتم خونی تعلقات قطع نہ کرو اور ماں باپ کی فرمانبرداری کر کے ان کو خوش کرو کیونکہ اس کے بغیر تو تمہارا (دین) بھی قبول نہیں اور ایسے مشفقانہ اور ناصحانہ رنگ میں میرے دل کو موہ لینے کی راہیں اختیار کرتے رہے کہ خدا کے خاص فضل کے بغیر ان کے اس پوشیدہ اور باریک جال سے بچ نکلنا مشکل تھا۔............ آخر سارا زور مارنے اور سر پٹک چکنے کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اِن تلوں میں وہ تیل نہیں جس کی ان کو تلاش اور جستجو ہے تو انہوں نے رنگ بدلا اور رخ پلٹ کر وہ ناصحانہ اور مصلحت آمیز لباس اُتار پھینکا اور اپنے اصلی روپ میں مجھ پر ظاہر ہونے لگے۔ نصیحت و خیر سگالی کا جامہ چاک ہو گیا اور پھر وہ اپنا اندرونہ چھپانے کے قابل نہ رہے۔ نصیحت کی بجائے بحث مباحثہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ دلائل کے زور سے مجھ کو ملزم کرنے کی کوشش کی اور عیسائی اور آریہ معاندین کے بودے کند اور کمزور ہتھیاروں سے مجھ پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی اور لیکھرام کے مباہلہ کو بار بار پیش کر کے مجھ پر غلبہ و رعب جمانے کی کوشش کی مگر چونکہ انہی دنوں ایسے اعتراضات کے دندان شکن جوابات کا ایک خزانہ اور معارف کا ایک دریا سیدنا حضرت اقدس کی پُر نور تصنیفات میں تازہ بتازہ میرے مطالعہ میں آ رہا تھا جس کی طفیل میں بجائے مغلوب ہونے کے غالب اور مفتوح ہونے کے فاتح اور ذلیل ہونے کے سر بلند ہی رہا۔ جس سے متاثر ہو کر میرے بھائی کو اپنی کم علمی کا اعتراف اور مغلوبیت کا

اظہار کئے بغیر چارہ نہ رہا اور آخر فیصلہ پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی پر منحصر ٹھہرا جو ابھی تک پیشگوئی کی معیاد کے اندر حالت انتظار میں تھا۔

چوہدری نتھو رام صاحب نے اس رنگ میں بھی دال گلتی نہ دیکھی تو اپنا آخری اور اوچھا ہتھیار نکالا اور میری غیرت اور حمیت کو چیلنج کیا۔ جذبات کو اپیل کی اور تانبے پیتل اور کانسی کے برتنوں، مٹی کے لوٹے، ٹھوٹھے اور کنالیوں کے طعن دینے شروع کر دیئے۔ کہیں مسلمانوں کی موجودہ بدعملی، خستہ حالی اور افلاس وغربت کے تذکرے اور ہندو اقوام کی بڑائی و مالی برتری کے افسانے سنا سنا کر مجھے جوش دلانے کی کوشش کی اور کبھی خاندانی شوکت وسطوت اور بڑے بوڑھوں کے کارنامے سنا سنا کر شرم دلانے کی راہ اختیار کی اور انجام کار جب دیکھا کہ ان کے سارے حیلے بے اثر اور سارے حربے بے کار رہے تو یہ کہتے ہوئے مجھ سے رخصت ہو گئے کہ ''ٹٹیاں باہیں گل نوں ای آندیاں ہین'' یعنی (احمدیوں) نے جو سبز باغ تمہیں دکھا کر ورغلایا ہے اور جھوٹے وعدے دے کر اغوا کر لیا ہے چند روز میں ان کی حقیقت تم پر کھل جائے گی۔ تب تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔ ابھی چونکہ نئے نئے اس جال میں پھنسے ہو۔ آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرے گا کہ یہ نشہ اُتر جائے گا اور تم سمجھو گے کہ کسی خیر خواہ کی نصیحت کو کس طرح رد کیا اور ٹھکرایا تھا۔ دیکھو پھر کہتا ہوں کہ ''ڈھلیاں بیراں دا اجے وی کجھ نہیں گیا'' مان لو بھلا ہو گا ورنہ پچھتاؤ گے۔

میرے مکرم ایسے ہی الفاظ کہتے ہوئے مجھ سے جدا ہونے کو کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ میرا دل نرم تھا اور ان کے ادب کا بھی مجھے پاس تھا مگر ان کے آخری حملہ کو بے جواب چھوڑنے کو میں نے بے غیرتی اور دون ہمتی یقین کرتے ہوئے خاموش رہنا برداشت نہ کیا اور جاتے جاتے مخاطب کر کے بصد ادب عرض کر ہی دیا کہ:۔

''اگر یہ دل صرف اور صرف خدا کے لئے آپ لوگوں سے جدا ہوا ہے تو یقیناً وہ ان بازوؤں کو نہ ٹوٹنے دے گا بلکہ خود غیب سے ہمیشہ میری دستگیری و امداد فرمائے

گا اور میں اس یقین پر ہوں کہ وہ ذات والا صفات کبھی بھی مجھے ایسے دعویٰ کرنے اور بڑے بول بولنے والوں کا محتاج نہ ہونے دے گی"۔

آپ کو یقین کامل تھا کہ

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو تیرا طالب ہے
کوئی رسوا نہیں ہوتا جو ہے جویاں تیرا

حضرت بھائی جی فرماتے ہیں:۔

"میں نے یہ الفاظ چلتے چلتے بہت ادب سے ان کے گوش گزار کئے جس کے بعد وہ اپنے گاؤں کو چلے گئے اور مجھے اللہ کریم نے اپنے خاص فضل بے پایاں سے اس مرحلہ پر بھی ثبات ونشاط بخش کر نوازا اور دارالامان ہی میں جگہ عطا فرمائے رکھی۔ فالحمدللہ"

عدالت سے سمن

"اس جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے بعد مختلف طریق سے مجھے مرعوب کرنے اور دھمکانے کی غرض سے رنگا رنگ اور گونا گوں خبریں میرے کانوں تک پہنچائی جانے لگیں اور بعض معتبر لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے والدین اور رشتہ دار میرے سسرال کو میرے خلاف کوئی مقدمات دائر کرنے کی کوشش کرا رہے ہیں اور برادری نے ان پر بہت زور اور دباؤ بھی ڈالا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے ایسی نجاست پر منہ مارنے سے عذر کر دیا کہ پہلے ہی "نہ معلوم کس پاپ کی سزا ہمیں بھگتنا پڑی ہے اور اپرادھ کر کے ہمارا کہاں ٹھکانہ ہوگا"۔

مگر میرے والد صاحب اور بعض عیار رشتہ داروں کو نہ معلوم کتنی جلن لگی تھی کہ ان کے غضب کی آگ بجھنے ہی میں نہ آتی تھی اور وہ میرے درپے آزار ہی چلے جا رہے تھے۔ نہ معلوم کتنے منصوبوں اور سازشوں میں ان کو ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا اور آتش انتقام کہاں کہاں ان کو لئے پھرتی رہی۔ کس قدر مال و منال ایسی حیلہ

سازیوں کی نذر کیا اور کس کس کی در پر دہ ناصیہ فرسائی کرتے پھرے جس کے نتیجہ میں ایک روز اچانک ایک مذکوریا میرے نام کا ایک سمن لئے میری تلاش میں کُو بکو پھرا کیا اور آخر میرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جب کہ میں (بیت) اقصیٰ سے ڈیرے کو جا رہا تھا۔ اس نے مجھے سمن دکھا کر دستخط کرنے کا تقاضا کیا۔ میرے لئے عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ سرکاری کاغذ میرے نام آیا۔ کچھ گھبراہٹ تھی کچھ عیار مذکورئے کا تقاضا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ قلم دوات مذکورئے چپراسی ساتھ رکھا کرتے تھے نکال کر سامنے کی اور میں نے اطلاع یابی کر دی بلکہ الفاظ بھی وہی لکھے جو مذکورئے نے لکھائے۔ مجھے یہ بھی تو علم نہ تھا کہ سمن کا ثنیٰ مجھے لینا چاہئے جو کچھ ہوا اس میں پہلی بعض افواہوں اور اخبار کا بھی اثر و دخل تھا۔ سوجھی تو صرف یہ کہ سیدھا اپنے آقائے نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر جا کر دستک دی۔ دریافت پر اپنا نام عرض کیا اور حضور پُر نور بہ نفس نفیس دروازہ پر تشریف لے آئے۔ نہایت ہی لطف و کرم سے بات پوچھی جو میں نے لرزتے کانپتے عالم پریشانی ہی میں عرض کر دی۔ حضور نے توجہ سے سن کر نہایت ہی محبت آمیز لہجہ میں فرمایا (ایک لمحہ بھر کے وقفہ کے بعد)

''میاں عبدالرحمٰن آپ نے سمن کو پڑھا بھی تھا کہ کس مقدمہ میں حاضری مطلوب ہے اور کس تاریخ کو پیشی ہوگی؟''

حضور نہیں میں نے عرض کیا اور حضور مجھے تو سمن اور مقدمہ کے نام سے ایسی گھبراہٹ ہوئی کچھ سمجھا نہ بوجھا اور جو کچھ اس نے کہا میں نے لکھ کر دے دیا۔ فرمایا۔

''میاں عبدالرحمٰن غلطی ہوئی ہے جلد جاؤ اور اس کو تلاش کر کے تاریخ حاضری تو معلوم کر لو''۔

بہت اچھا حضور عرض کر کے میں گلی بازاروں میں اس چپڑاسی کی تلاش کرنے لگا اور آخر کم و بیش دو گھنٹہ کی تلاش اور سرگردانی کے بعد وہ مجھے مل گیا اور جس طرح حضور نے

ہدایت فرمائی تھی نرمی اور حکمت سے میں نے سمن کا مثنیٰ مانگا اور حاضری کی تاریخ پوچھی۔ مگر میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب مجھے تاریخ حاضری کا علم ہوا۔ میری جان میں جان آ گئی کیونکہ جس تاریخ کے لئے مجھ پر سمن کی تعمیل کرائی گئی تھی وہ تاریخ دو دن ہوئے گذر بھی چکی تھی۔ میں نے جھٹ اپنے دستخطوں کے نیچے وصولی سمن کی تاریخ درج کر دی اور خود حضرت اقدس کے حضور حاضر ہو کر معاملہ عرض کیا۔ جس پر حضور تبسم فرماتے اور یہ فرماتے ہوئے ''اچھا ہوا اور بہت اچھا ہوا'' اندر تشریف لے گئے اور اس طرح محض حضور کی توجہ کے طفیل سے وہی بات ہوئی کہ:۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

پھر نہ کبھی کوئی سمن آیا نہ مجھے کسی نے طلب کیا نہ معلوم کیا تھا اور وہ معاملہ کدھر چلا گیا''۔

فیصلہ کن قدم۔ والدہ کو خط

''ان آئے دن کے جھگڑے بکھیڑوں، افراتفری اور کشمکش سے تنگ آ کر آخر میں نے اس قضیہ کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے کی تجاویز سوچنا شروع کیں کیونکہ مجھے اپنی ذات میں نت نئے فتنوں کی وجہ سے بے اطمینانی اور تشویش رہا کرتی۔ والدین کی بربادی اور ان کے مال و منال کے ضیاع کا خیال بھی ستایا کرتا تھا۔ والدین اور رشتہ داروں کے ایسے حملوں اور کوششوں سے مجھے اپنی کمزوریوں کا بھی احساس ہونے لگا اور خیال پیدا ہوا کہ کوئی نہ کوئی نقص ضرور مجھ میں ہے ورنہ دشمن کو مایوس ہو کر ہمیشہ کے لئے مجھ سے ناامید ہو جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ سوچ بچار اور دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ جب تک شیطان بالکل مایوس اور ناامید نہیں ہو جائے گا میں خطرہ سے باہر نہ نکل سکوں گا اور حقیقی اطمینان اور تسلی میسر نہ آئے گی۔ لہذا میں نے ایک مفصل خط علیحدہ والدہ صاحبہ

کی خدمت میں لکھا جس میں اپنے (دین حق) لانے کی وجوہات پر خود ان کی اپنی ضمیر کو بطور شاہد و گواہ پیش کرتے ہوئے اپنے حالات و اخلاق کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کرائی اور بالاخر یہ لکھا کہ ان حالات میں خود آپ کا دل جانتا ہے کہ (دین حق) کے معاملہ میں مجھ پر نہ کسی نے دباؤ ڈالا ہے اور نہ ہی کوئی طمع اور بداخلاقی اس کی محرک ہوئی ہے بلکہ (دین حق) کی خوبیوں اور اس کے برکات نے میرے دل بلکہ دل کی گہرائیوں پر اثر کر کے میرے قلب کو فتح کر لیا ہے۔ اس صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ آپ لوگ میرے دل سے اس بات کو نکال سکیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ میرے جسم اور گوشت پر قابو پا سکتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہ ہونگے کہ آپ میرے دل سے (دین حق) کو نکال دینے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ اوّل تو آپ کو اپنا سابقہ تجربہ ہی اس امر کے سمجھ لینے کیلئے کافی معاون تھا کہ آپ لوگ باوجود ہزاروں روپیہ بے دریغ لٹا دینے اور مہینوں نہیں سالوں سرگردانی کے سبب مجھ پر قابو نہیں پا سکے۔ اس سے سبق حاصل کر کے خدا کی مرضی پر راضی ہو رہتے۔ مگر بفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ کبھی آپ مجھے میری مرضی کے خلاف لے جانے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو پھر کیا ہوگا؟ (دین حق) میرے رگ و پے اور خون میں خدا کے فضل سے اس طرح رچ چکا ہے کہ اگر آپ لوگ میرے جسم کے ٹکڑے بھی کر دیں اور ان ٹکڑوں کا قیمہ بھی بنا دیں تب بھی انشاء اللہ ہر ذرہ سے (کلمہ طیبہ) کی صدا بلند ہوگی۔ جسم مغلوب ہو سکتے ہیں اور طاقت یا ظلم سے اس پر فتح پائی جا سکتی ہے مگر قلوب کا فتح کرنا صداقت و راستی کے سوا ناممکن ہے وغیرہ وغیرہ‘‘

والدہ صاحبہ کا ردِّ عمل

’’مصلحت الٰہی سے میرا یہ خط والدہ محترمہ کو جب پہنچا والد صاحب گھر پر نہ تھے بلکہ کہیں گئے ہوئے تھے اور طرفہ یہ کہ خط والدہ محترمہ نے پڑھوایا تو کسی مسلمان سے۔ جس

نے خط سنانے کا حق ادا بھی کر دیا اور وہ خط ایسا موثر ثابت ہوا کہ والدہ محترمہ زار و قطار رونے لگیں اور اس جگہ عہد کر لیا کہ آئندہ اس طریق کو قطعی طور سے ترک کر دیں گے۔ چنانچہ مجھے جواب بھی بہت معقول اور تسلی بخش دیا۔

''اچھا بیٹا جیتے رہو۔ تمہاری طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی رہے۔ ہونا تھا جو ہو چکا اب پرمیشور سے تو لڑا نہیں جا سکتا''۔

یہ خدا کا محض فضل تھا۔ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا والی بات ہے۔ خط ٹھکانے لگا اور اس طرف سے قصہ ہمیشہ کیلئے ختم ہی ہو گیا''۔

(حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی: صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۵)

حضرت شیخ عبدالرحیم شرما صاحب

نام: سابق نام کشن لعل تھا۔ بیعت کے بعد آپ کا نام عبدالرحیم تجویز ہوا۔

ولادت: ۱۸۸۷یا ۱۸۸۸ء بمقام بنوڑ ریاست پٹیالہ

ولدیت: پنڈت رلیارام صاحب **قوم:** برہمن

بیعت: آپ ہندو تھے خاندان کا آبائی پیشہ پروھتی تھا۔۱۹۰۴ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔

اولاد: آپ کی پہلی بیوی جو ہندو تھی سے آپ کے دو بیٹے تھے جو بعد میں فوت ہوگئے اور دوسری بیوی سے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

وفات: ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء

اللہ کی راہ میں ہر چیز کی قربانی

حضرت شیخ عبدالرحیم شرما صاحب نے اگرچہ بیعت تو ۱۹۰۴ء میں کر لی تھی مگر بعض مصالح کی بناء پر آپ نے اسے اپنے لوگوں پر ظاہر نہ کیا تھا۔ مگر آپ دل ہی دل میں ایسی صورت حال سے بہت تنگ تھے۔ چھپ چھپ کر نمازیں پڑھنا اور عبادات بجالانا اب ان کے لئے مشکل ہوتا جارہا تھا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوگیا اور شیخ صاحب نے علی الاعلان ابھی اپنی بیعت کو ظاہر نہ کیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں آپ نے یہ ساری صورت حال لکھی اور عرض کیا کہ اگرچہ مشکلات اور موانع بہت ہیں مگر اب میں بیعت کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''حضور نے لکھا کچھ دیر توقف کرو ہندو عورتیں عموماً وفادار ہوتی ہیں اپنی اہلیہ کو (دعوت الی اللہ) کرو اور اس کو بھی اپنے ساتھ لانے کی کوشش کرو۔ اس ارشاد کی تعمیل میں کچھ عرصہ اور رُکا رہا۔ اپنی بیوی کو (دین حق) قبول کرنے کیلئے رضا مند کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر میری والدہ اور خاندان کے دوسرے لوگ اسے ورغلا لیتے اور کہتے کشن لعل محض تمہاری خاطر رُکا ہوا ہے اگر تم نے کمزوری دکھائی اور اس کا ساتھ دیا تو وہ (احمدی) ہو جائے گا۔ میں نے سوچا اس ماحول میں رہتے ہوئے اس کا (احمدی) ہونا مشکل ہے کسی طرح اس کو ان سے الگ کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور ایک دوسرے مکان میں اپنی بیوی بچوں کو لیکر الگ ہو گیا۔ وہاں جا کر وہ (احمدی) ہونے کیلئے آمادہ ہو گئی۔ چنانچہ ایک تاریخ مقرر کی گئی کہ اس دن چندروز کی رخصت لیکر قادیان جائیں گے اور مشرف بہ (دین حق) ہوں گے۔ لیکن بعد میں نہ معلوم کیا ہوا اس نے پھر کمزوری دکھائی۔ اِدھر مجھ سے قادیان چلنے کا وعدہ کیا دوسری طرف پوشیدہ طور پر اپنے والد کو پیغام بھجوا دیا کہ فلاں دن کشن لعل (احمدی) ہونے کے لئے قادیان جائے گا اور مجھ کو بھی ہمراہ لے جانا چاہتا ہے۔ اگر اس کو بچانا ہے تو آ جاؤ۔ جس صبح ہم نے قادیان کے لئے روانہ ہونا تھا اس سے قبل کی شام کو میرے خسر جو کہ ایک دوسرے قصبہ میں رہتے تھے جو بارہ میل کے فاصلہ پر تھا یہاں آ گئے جس وقت وہ ہمارے مکان میں داخل ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ ہانپ رہے تھے اور ان کے گھٹنے لرزتے تھے شاید غصہ اور رنج کی وجہ سے ان کی یہ حالت تھی۔ میں ان کی یہ حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ خیر نہیں۔ ان کو ضرور کسی نہ کسی طرح ہمارے عندیہ سے آگاہی ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھ سے کلام نہیں کی اور سیدھے اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ انہوں نے میرے لڑکے کو اٹھایا ہوا ہے اور میری بیوی کو ساتھ لیکر جا رہے ہیں۔ میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہاں چلی ہو؟ اس نے کہا میں مسلمان نہیں ہو سکتی۔ جس دھرم میں میرے والد صاحب رہیں گے اسی میں

رہوں گی میں اپنے والدین کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس کی ایسی حرکت سے بہت صدمہ ہوا۔ دل میں کہا۔ اے عورت میں تیری خاطر رُکا ہوا تھا جب تو نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا تو اب مزید توقف کی ضرورت نہیں۔ میں نے اسی وقت تین چار قلمی اشتہار لکھے ان میں لکھا کہ میں اپنی خوشی سے (دینِ حق) قبول کرتا ہوں۔ آج سے کوئی شخص مجھے ہندو نہ سمجھے۔ لیئی بنائی اور رات کو گیارہ بجے کے قریب جبکہ کاروبار بند ہو جاتے ہیں اور بازاروں میں آمدورفت نہیں رہتی شہر کی مختلف گلیوں پر جا کر اشتہاروں کو چسپاں کر آیا"۔

آپ کے اس حال پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے حضرت باوا نانک صاحب کے متعلق فرمائے گئے یہ اشعار خوب صادق آتے ہیں۔

کوئی دن تو پردہ میں مستور تھا
زباں چپ تھی اور سینہ میں نور تھا
نہاں دل میں تھا درد و سوز و نیاز
شریروں سے چھپ چھپ کے پڑھنا نماز
پھر آخر کو مارا صداقت نے جوش
تعشق سے جاتے رہے اس کے ہوش
ہوا پھر تو حق کے چھپانے سے تنگ
محبت نے بڑھ بڑھ کے دکھلائے رنگ
کہا یہ تو مجھ سے ہوا اک گناہ
کہ پوشیدہ رکھی سچائی کی راہ

حضرت شیخ صاحب اس کے بعد کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"صبح ہوئی تو یہ خبر شہر میں آناً فاناً پھیل گئی کہ کشن لعل داروغہ (احمدی) ہو گیا ہے۔ ہندو مجھ کو تو کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ ان دنوں داروغہ چونگی کو بہت کچھ اختیارات ہوتے تھے۔

میں چاہتا تو تاجروں کو کافی تنگ کرسکتا تھا۔ ان دنوں قانون ایسے تھے کہ باجود چونگی میں محصول ادا کردینے کے دکاندار مال کو اس وقت تک کھول نہیں سکتے تھے جب تک داروغہ چونگی خود یا اس کا کوئی نمائندہ آ کر تصدیق نہ کردیتا تھا کہ مال کے مطابق محصول ادا کیا گیا ہے اور اگر کوئی دکاندار دروغہ کی تصدیق سے قبل مال کھول دیتا تھا تو وہ مستوجب سزا و جرمانہ ہوتا تھا۔ اور داروغہ چونگی کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص بغیر محصول چونگی ادا کئے شہر میں داخل ہو جائے تو وہ چہار چند تک محصول چونگی وصول کرلے۔ ہمارے قصبہ میں اکثر ہندو تاجر پیشہ تھے اس لئے ان کو مجھ سے کچھ دَبنا پڑتا تھا۔ براہ راست تو وہ مجھ کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے لیکن میری والدہ صاحبہ اور دوسرے رشتہ داروں کو اسی طرح بعض غریب احمدیوں کو انہوں نے تنگ کرنا شروع کردیا۔

ہماری برادری نے فوراً میری والدہ صاحبہ اور میرے بھائی صاحب کا بائیکاٹ کردیا کیونکہ میرے خُسر نے برادری کی پنچایت میں میری والدہ صاحبہ پر یہ الزام لگایا کہ ان کے ایماء اور مدد سے کشن لعل میری لڑکی کو (احمدی) کرنے لگا تھا۔ اگر میری والدہ مخالفت کرتیں اور کشن لعل کو علیحدہ نہ ہونے دیتیں تو وہ (احمدی) نہیں ہوسکتا تھا۔ غرض ایک عرصہ تک ہماری برادری نے والدہ صاحبہ اور ہمارے خاندان کا بائیکاٹ رکھا۔ آخر بعض لوگوں کی سفارش سے بڑی مشکل سے ہمارے خاندان کو معافی ملی اور اس شرط پر ان کو برادری میں داخل کیا گیا کہ وہ سب مجھ سے قطع تعلق رکھیں گے میری والدہ کو مجبوراً یہ شرط ماننا پڑی۔ برادری کے ڈر سے نہ ہی میں والدہ کو مل سکتا تھا اور نہ میری والدہ مجھ سے مل سکتی تھیں۔ میری والدہ صاحبہ کو مجھ سے بے حد محبت تھی۔ وہ میری جدائی کو برداشت نہ کرسکتی تھیں اور روتی رہتی تھیں۔ شام کو دفتر بند کرکے جب میں (احمدیوں) کے ہمراہ احمدیہ (بیت الذکر) کو جاتا اور اپنے محلّہ کے پاس سے گزرتا۔ میری والدہ مجھ کو دیکھنے کیلئے بازار کے ایک طرف کھڑی ہو جاتیں۔ یہ نظارہ بہت تکلیف دہ ہوتا۔ جب میں اِدھر سے گزرتا تو

اپنی والدہ کو روتے ہوئے پاتا۔ اکثر تو روتے روتے ان کی گھگی بندھ جاتی۔ اور دور تک ان کے رونے کی آواز سنائی دیتی مجھ کو بہت تکلیف ہوتی مگر برادری کے ڈر سے ہم نہ مل سکتے تھے ایک عرصہ اسی طرح ہوتا رہا۔ والدہ صاحبہ کی حالت دن بدن خراب ہونے لگی۔ مجھ سے یہ برداشت نہ ہوسکا میں نے سوچا کہ کسی طرح والدہ صاحبہ سے ملاقات کر کے ان کی دلجوئی کرنی چاہیئے۔ ہمارے پڑوس میں کچھ گھر مسلمان نیل گروں کے تھے۔ میں نے ایک مسلمان عورت کی وساطت سے والدہ صاحبہ کو کہلا بھیجا کہ میں رات کو فلاں مسلمان کے مکان پر آؤں گا۔ آپ بھی چھپ کر آجائیں وہاں ہم مل لیں گے۔ والدہ صاحبہ تو پہلے ہی بے قرار تھیں انہوں نے رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ کافی رات گزرے میں وہاں گیا والدہ صاحبہ بھی چھپ کر آ گئیں۔ بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور اس طرح ہماری ملاقات ہونے لگی۔

جن دنوں میں نے (دین حق) کا اعلان کیا اس وقت مہاراجہ پٹیالہ ابھی کمسن تھے اور کونسل آف ایجنسی کا زمانہ تھا۔ ریاست میں مذہبی آزادی نہ تھی۔ اگر کوئی سرکاری ملازم مذہب تبدیل کر کے (دین حق میں داخل) ہو جاتا تو اس کو ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندو میری برطرفی کے منتظر تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا ایسا تصرف ہوا کہ جب میں نے اس امر کی رپورٹ افسران کو کی کہ میں نے برضاء ورغبت (احمدیت کو) قبول کرلیا ہے۔ اس لئے کاغذات سرکاری اور سروس بک میں میرا نام کشن لعل کی بجائے عبدالرحیم درج کرلیا جائے۔ ان دنوں ہمارے شہر میں ہندو تحصیلدار کی بجائے ایک مسلمان تحصیلدار غلام محی الدین خان تبدیل ہو کر آ گئے تھے تبدیل مذہب کے متعلق ایکشن لینا ناظم صاحب دیوان صاحب (یعنی کمشنر) کے اختیار میں تھا یعنی ناظم کی سفارش پر دیوان صاحب ملازمت سے برطرف کر سکتے تھے لیکن ہوا یہ کہ جونہی میری درخواست تحصیلدار صاحب کی طرف سے ناظم صاحب کی خدمت میں بھجوائی گئی انہوں نے دیوان صاحب کی خدمت میں رپورٹ کرنے

کی بجائے میرے نام کی تبدیلی کے لئے براہِ راست اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں رپورٹ بھیج دی۔ اکاؤنٹنٹ جنرل ان دنوں ایک انگریز مسٹر بڈلف صاحب ہوا کرتے تھے ان کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھی کہ کون ہندو ہوتا ہے اور کون مسلمان۔ انہوں نے کاغذات میں میرا نام تبدیل کر کے عبدالرحیم درج کرا دیا۔ چنانچہ عبدالرحیم کے نام سے تنخواہ برآمد ہونے لگی اُدھر ناظم صاحب نے اپنے دفتر میں حکم دے دیا کہ سروس بک میں میرا نام درج کر دیا جائے۔''

(رفقاءِ احمد: جلد: ۱۰ صفحہ ۶۰ تا ۶۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور امتحان اور کامیابی

حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب اپنے ایک اور ابتلاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''چونگی خانہ کے ایک کمرہ میں مَیں رہتا تھا۔ سردیوں کے دِن تھے۔ ایک دفعہ میں سخت بیمار ہو گیا۔ سخت تیز بخار تھا۔ میں اکیلا پڑا گھبرا گیا۔ دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ (احمدی) ہو کر تم نے کیا لیا؟ اب بیمار پڑے ہو پاس پانی دینے والا بھی نہیں۔ بہن، بھائی، والدہ، بیوی، بچے سب ہی ہیں لیکن کوئی تمہارے منہ نہیں لگتا۔ کیا ہندو رہ کر تم خدا کی عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ بت پوجا بے شک نہ کرتے۔ مگر رام اور رحیم میں تو کوئی فرق نہیں۔ وہ تو ایک ہی ذات کے دو نام ہیں۔ ہندو رہ کر رام رام جپتے تو کیا تھا۔ غرض اسی قسم کے خیالات دماغ میں چکر لگانے لگے لیکن میرے رب نے گرتا دیکھ کر پھر مجھ کو سنبھالا اور میرے دل میں یکلخت تحریک پیدا ہوئی کہ یہ سب شیطانی وساوس ہیں تم کو دعا اور استغفار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے لحاف میں ہی تیمّم کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی اور دعا کی۔ الٰہی!

اگرچہ میرے عزیز واقارب حتیّٰ کہ ماں نے بھی مجھے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن حضور تو ماں باپ سے بھی بڑھ کر ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ تیری موجودگی میں تجھ سے بڑھ کر اور میرا کون ہمدرد ہوسکتا ہے۔ اگر عزیز واقارب نے چھوڑ دیا ہے تو تُو موجود ہے۔ تو میری دستگیری فرما اور اس دُکھ (سے) جو میری روح کو کھا رہا ہے نجات دے۔ نماز میں مَیں خدا تعالیٰ کے حضور خوب رویا۔ اسی دوران میں مجھے ایسا پسینہ آیا کہ میرا بخار خدا تعالیٰ کے فضل سے اُتر گیا اور میرے دِل کو غیر معمولی تسکین وراحت ہونی شروع ہوگئی۔''

(رفقاءِ احمد جلد دہم صفحہ ۶۲ ۔ ۶۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت شرما صاحب کو کامیاب فرمایا اور جیسا کہ اُس کا وعدہ ہے کہ جو انسان بھی خدا کیلئے قربانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر عظیم عطا فرماتا ہے اور کئی گنا کر کے لوٹاتا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ہوا۔

آپ ان فضلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اس وقت جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں کس طرح (احمدی) ہوگیا تو سخت حیران ہوتا ہوں۔ میرے وہ دوست جو مجھ سے واقف ہیں وہ میری حالت کو جانتے ہیں۔ میری طبیعت میں حجاب زیادہ ہے مجھ میں بھلا یہ طاقت کہاں تھی میں ازخود (احمدی) ہوجاتا اور پھر سب رکاوٹوں اور مخالفتوں کا مقابلہ کرسکتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہی تھا کہ اس نے مجھ کو (دین حق) قبول کرنے کی توفیق بخشی اور نہ صرف یہ کہ میں (احمدی) ہوگیا بلکہ یہ سعادت بھی ملی کہ میں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی .... پھر دنیوی لحاظ سے بھی گھاٹے میں نہیں رہا۔ میں اکیلا قادیان آیا تھا اس وقت میری کیا حالت تھی۔ ایک جوتی۔ ایک دو جوڑے کپڑوں کے اور چند

روپے۔ یہی میرا اثاثہ تھا۔لیکن میرے مولیٰ نے مجھ کو ضائع نہیں کیا۔ میں نے وطن چھوڑا تھا اس سے بہتر وطن مجھ کو ملا۔ بیوی چھوڑی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بیوی بھی دی۔ دو بچوں کو مجھے چھوڑنا پڑا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں عنایت کیں۔ رشتہ داروں اور برادری سے تعلق توڑا تھا یہاں آ کر ان سے بہتر رشتہ دار اور محبت کرنے والی برادری ملی۔ رہنے کے لئے مکان دیا۔ مجھ کو اپنی محسنہ والدہ کو چھوڑنا پڑا تھا جو مجھ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ بظاہر اس کمی کا پورا ہونا مشکل تھا پر میرے رب نے یہ کمی بھی پوری کی اور میری پیاری ماں بھی مجھ کو دی۔ وہ قادیان آئیں اور مشرف (بأحمدیت) ہوئیں۔ میرے پاس ہی آخر دم تک رہیں اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہوئیں۔............میرے رب کے مجھ پر کس قدر فضل ہوئے؟ جب میں سوچتا ہوں تو میری روح سجدہ میں گر جاتی ہے"۔

(رفقاء احمد جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۶۸)

سچ ہے۔

اس جہاں کو چھوڑنا تیرے دیوانوں کا کام
نقد پا لیتے ہیں وہ اور دوسرے امید وار

حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری

نام: حضرت مولوی حسن علی صاحب

ولدیت: محمد علی صاحب

ولادت: ۲۲/اکتوبر۱۸۵۲ء بمقام بھاگلپور

بیعت: ۱۱جنوری۱۸۹۴ء

کتب: قوت فیصلہ، تحریک سیر نبوی، تائید حق، معراج المومنین، نقش طاؤس

وفات: فروری۱۸۹۶ء بعمر تنتالیس سال چھ ماہ

اہم امور

آپ کا نام ۳۱۳ رفقاء میں شامل ہے۔ آپ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور بنگلہ زبانوں کے ماہر تھے۔ مذہبی رجحان کی وجہ سے ایف اے سے تعلیم ترک کر دی۔ پٹنہ میں سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ کچھ عرصہ ''بہار بندھو'' وغیرہ اخبارات کے ایڈیٹر رہے۔

آپ ایک شعلہ بیان مقرر تھے۔ مسلمانوں کا حد درجہ احساس کرنے والے تھے۔ اسی جذبہ کی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں ہیڈ ماسٹری وغیرہ دنیوی مشاغل کو ترک کر کے مسلمانوں کی خدمت کو اپنا لیا۔ آپ کو اللہ کی طرف سے ''خادم المسلمین'' کا خطاب ملا۔ قوم نے آپ کو ''شمس الواعظین'' کا لقب دیا۔ سینکڑوں غیر مسلم آپ کے ذریعہ تائب ہوئے۔ آپ نے متعدد مدارس اور یتیم خانے قائم کئے۔

آپ کے لیکچرز سے متاثر ہو کر بھاگلپور کے نوجوان طلبہ کالج نے ایک انجمن بنام ''تہذیب الاسلام'' بنائی اور اس کا مقصد نوجوان نسل کو دینی علوم سے واقف کروانا تھا۔ معروف ''انجمن حمایت اسلام'' لاہور کی بناء میں بھی آپ کا ہی ہاتھ تھا۔ آپ نے بھاگلپور کی فاحشہ عورتوں کے خاندان کی اصلاح کر کے ان سے توبہ کروائی۔ آپ نے ایک رسالہ

ماہواری ''نوراسلام'' جاری کیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے انگریزی ممالک میں دعوت الی اللہ کے کام کیلئے آپ کا نام تجویز فرمایا آپؑ نے فرمایا کہ:۔

''وہ اہل ہمت میں سے ہے اوراس اُمر کے لائق ہیں مزید برآں وہ تقی زکی اوراشاعت (دین حق) کیلئے جری ہیں''۔ (نورالحق۔ حصہ دوم صفحہ ۶۲ روحانی خزائن جلد نمبر ۸ صفحہ ۲۴۸)

راہ مولا میں نوکری قربان کردی''

حضرت مولوی حسن علی صاحب کی شادی ۱۸۷۴ء میں ہوئی۔ اس کے بعد کسب معاش کے سلسلہ میں آپ پٹنہ چلے گئے اور ایک سکول میں ہیڈ ماسٹری کے عہدہ پر کام کرنے لگے۔ مگر آپ اس زندگی سے مطمئن نہ تھے۔ اگرچہ دنیوی لحاظ سے یہ اچھی نوکری تھی مگر اللہ تعالیٰ آپ سے کچھ اور کام لینا چاہتا تھا۔ اور آپ کو اس میدان میں اور قربانیاں کرنا تھیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

''۶ فروری ۱۸۸۶ء کو مغرب کے وقت یکا یک اللہ جلشانہ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب تو اسکول کی ملازمت سے دست بردار ہو جا اور باقی عمر واعظ اسلام کی حیثیت میں بسر کر۔ پس میں نے اس ہدایت ربانی کے بموجب ہیڈ ماسٹری سے استعفاء پیش کر دیا۔ اسکول کمیٹی کے سیکرٹری میرے شاگرد دوست تھے مجھ کو بہت سمجھاتے رہے۔ پٹنہ کے کئی شفیق دوست نہایت محبت سے مجھ کو ہدایت کرتے رہے کہ لگی نوکری کو چھوڑنا نہیں چاہے جو لگی روزی کو لات مارتا ہے وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوتا ہے لیکن میں ان پیارے دوستوں کو کیا کہتا۔ حالت یہ تھی کہ خدا ہی کی ہدایت سے خدا کے واسطے نوکری کو چھوڑتا تھا تو میں کیونکر دل میں یہ شک لاتا کہ اللہ میرے رزق کو بند کر دے گا''۔

(رسالہ تائید حق: صفحہ: ۴۳: رفقاء احمد: جلد: ۱۴: صفحہ: ۱۱)

چنانچہ آپ نے یہ نوکری محض لِلّٰہ چھوڑ کر پورے ہندوستان میں دوروں کا سلسلہ شروع کیا اور اہل ایمان میں بیداری پیدا کی۔

قربانیوں کی بہار

حضرت مولوی صاحب نے جب سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا تو اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

’’اب بہت بڑا سوال یہ پیش آیا کہ آیا میں ایسے جلیل القدر امام کا متبع ہو جاؤں اور ناحق کی تکفیر اور ملامت کا ٹوکرا سر پر اٹھاوں اور جو کچھ عزت میں نے عمدہ واعظ ہونے کی سارے ہند میں پیدا کی ہے اس کو حق پر قربان کر کے بجائے مقبول خلائق کے مردود و ملعون خلائق بن جاؤں یا شیعوں کی پالیسی اختیار کر کے حضرت مرزا صاحب کے پاس ان کا موافق اور ان کے مخالفوں کے پاس (معاذ اللہ) مرزا صاحب کا مخالف بن کر واہ واہ کی صدا سنوں۔ عجب کشمکش میں کئی دن میرے قادیان شریف میں گزرے۔ روز رو رو کر جناب باری تعالیٰ میں دعائیں کرتا کہ خداوندا! اگر تیری خوشنودی مرزا صاحب کی تابعداری و فرمانبرداری میں ہے تو مجھ پر بذریعہ خواب کے جیسا کہ تو نے بارہا کیا ہے اصل حال کھول دے لیکن اِدھر سے سناٹا تھا۔ مالک کی یہی مرضی تھی کہ میں خود خدا داد عقل کو استعمال کر کے اپنا نفع و نقصان دیکھ بھال کر کام کروں۔ پٹنہ سکول کی ہیڈ ماسٹری چھوڑنے سے اس دفعہ بھاری معاملہ تھا۔ اس دفعہ ایک بھاری قربانی کا موقعہ آ گیا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے ہزارہا درجہ بڑھ کر پیاری اور عزیز چیزوں کو حق پر قربان کر دیا ہے۔ لیکن میں کیا تھا اور میری ہمت ہی کیا تھی۔ ایک قدم آگے رکھتا۔ ایک قدم پیچھے رکھتا۔ شیطان کہتا کہ میاں بربادی اور تباہی اور ذلت و رسوائی سے بچنا ہے تو چپ چاپ قادیان سے نکل چلو۔ فرشتہ کہتا او کم بخت کیا تو نے حدیث نہیں پڑھی کہ جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا وہ

جاہلیت کی موت پر مرا۔ پھر جس حالت میں خداداد عقل تجھ کو خود بتا رہی ہے کہ جناب حضرت مرزا صاحب امام زماں ہیں تو ان سے روگردان ہو کر کہاں جائے گا۔ کیا دنیا کی چند روزہ زندگی کے نام اور جھوٹی عزت پر اپنے ابدالاباد کے نفع کو غارت کر دے گا۔ او کوتہ اندیش جس روحانی مرض میں تو مبتلا ہے اس کی دوا تک اللہ نے تجھ کو پہنچایا۔ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب ایسا بے ریا فاضل اپنا ذاتی تجربہ پیش کر کے اس دوا کا فائدہ مند ہونا بتاتا ہے پھر کیسی کم بختی تجھ کو آئی ہے۔ اپنی صحت روحانی کا دشمن بن کر اندرونی پلیدی اور منافقانہ زندگی میں ڈوبا رہنا چاہتا ہے۔ اے حضرات میں نے فرشتہ کی بات سن لی اور تاریخ ۱۱ جنوری ۱۸۹۴ء شب جمعہ کو حضرت امام الوقت مجدد زماں جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سے بیعت کر لی اور ان کو اپنا امام قبول کر لیا۔ **فالحمدللّٰہ علی ذالک**

بیعت کرنے کے بعد تین دن تک قادیان شریف میں رہنے کا موقع ملا۔ ان اخیر کے تین دن میں جب میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا تو مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ اب میں نماز پڑھتا ہوں یعنی مجھے عجیب حلاوت اور عجیب مزا نماز میں ملتا تھا۔

۱۳ جنوری ۱۸۹۴ء میں اپنے امام سے رخصت ہو کر لاہور میں آیا اور ایک بڑی دھوم دھام کا لیکچر انگریزی میں دیا۔ جس میں حضرت اقدس کے ذریعہ سے جو کچھ روحانی فائدہ ہوا تھا اس کا بیان کیا جب میں اس سفر پنجاب سے ہو کر مدراس پہنچا تو میرے ساتھ وہ معاملات پیش آئے جو صداقت کے عاشقوں کو ہر زمانے و ہر ملک میں اٹھانے پڑے ہیں۔ مسجد میں وعظ کہنے سے روکا گیا ہر مسجد میں اشتہار کیا گیا کہ حسن علی سنت و جماعت سے خارج ہے کوئی اس کا وعظ نہ سنے۔ پولیس میں اطلاع دی گئی کہ میں فساد پھیلانے والا ہوں۔ وہ شخص جو چند ہی روز پہلے شمس الواعظین جناب مولانا مولوی حسن علی صاحب واعظ اسلام کہلاتا تھا صرف حسن علی لیکچرار کے نام سے پکارا جانے لگا۔ پہلے واعظوں میں ایک ولی سمجھا جاتا تھا اب مجھ سے بڑھ کر شیطان دوسرا نہ تھا۔ جدھر جاتا انگلیاں اٹھتیں۔ سلام کرتا جواب نہ ملتا۔ مجھ سے ملاقات کرنے کو لوگ خوف کرتے۔ میں ایک خوفناک

جانور بن گیا۔ جب مدراس میں مسجدیں میرے ہاتھوں سے نکل گئیں تو ہندوؤں سے پچھیا ہال لے کر ایک دن انگریزی میں اور دوسرے دن اُردو میں حضرت اقدس امام زماں کے حال کو بیان کیا جس کا اثر لوگوں پر پڑا۔ رمضان شریف میں اپنے وطن شہر بھاگلپور میں آیا۔ میرے دوست وہم خیال وہم مشرب مولوی صاحبوں میں سے ایک صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تم نے بڑی غلطی کی اچھے طور سے مرزا صاحب کے عقائد کی جانچ پڑتال کر کے بیعت کرنی تھی۔ تمہاری اس عاجلانہ حرکت سے اہل اسلام کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ تمہاری کوششوں سے اہل اسلام کو نفع عظیم پہنچ رہا تھا۔ ایک دوسرے مولوی صاحب جو براہین احمدیہ وغیرہ دیکھے ہوئے تھے اور حضرت اقدس کو مجدد زمان مانتے ہیں یہ لکھا تھا کہ تم نے مصلحت زمانہ کے برخلاف کیا''۔ (مولوی حسن علی بھاگلپوری: تائید حق صفحہ ۶۹ تا ۷۱)

آپ کے متعلق محترم ملک صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت مولوی صاحب جو قوم کی نظر میں شمس الواعظین تھے اور حد درجہ معزز و محترم۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کا جو حال ہوا اس بارے میں حضرت مولوی احمد علی صاحب بھاگل پوری بیان کرتے ہیں کہ آپ مدراس لوٹے تو سارے علماء مدراس نے آپ کی تکفیر کی اور آپ کو دجال اور کرسٹان (عیسائی) کہنے لگے''۔ (رفقاء احمد: جلد: ۱۴: ص: ۵۵)

پر ایسے کفر پر تو فدا ہے ہماری جاں
جس سے ملے خدائے جہان و جہانیاں

رسالہ معاصر پٹنہ نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے۔

''وہ مرزا صاحب کے حلقہ پیروان میں شامل ہو گئے۔ قادیانی مذہب قبول کرتے ہی مولوی صاحب کی مقبولیت عامہ کو سخت دھکا لگا۔ اب وہ صرف مبلغ احمدیت ہو کر رہ گئے۔ عام مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کیا اور ان کو مسجدوں میں تقریر کرنے کی اجازت نہ دی''۔

(رسالہ معاصر پٹنہ: حصہ: ۲: ص: ۸: بحوالہ رفقاء احمد: جلد: ۱۴: ص: ۳۰)

حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب

نام: حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب **ولدیت:** قاضی غلام احمد صاحب

ولادت: ۱۸۴۳ء بمقام قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ

بیعت: مارچ ۱۸۸۹ء

اولاد: آپ کی دو شادیاں ہوئیں۔ آپ کے ہاں دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں جنہوں نے عمر دراز پائی۔

وفات: ۱۲ مئی ۱۹۰۴ء

اہم امور

آپ کے شدید مخالفانہ حالات کی وجہ سے حضور نے دسمبر ۱۹۰۰ء میں ہجرت کا ارشاد فرمایا تو آپ ۱۹۰۱ء کے شروع میں قادیان چلے گئے۔

ضمیمہ انجام آتھم میں مندرج تین سو تیرہ رفقاء میں آپ کا نام بھی درج ہے۔ نہ صرف آپ بلکہ آپ کے دو فرزند اور آپ کے ذریعہ احمدی ہونے والے گیارہ احباب کے نام بھی اس میں درج ہوئے۔ نزول المسیح میں مندرج پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے گواہوں میں کئی پیشگوئیوں میں آپ کا نام درج ہے۔

آپ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور با قاعدہ تہجد گزار تھے۔

آپ کی وفات سے قبل آپ کے بارہ میں حضور کو الہام ہوا ’’وہ بے چارہ فوت ہو گیا‘‘۔

صبر و استقامت

حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بیان کرتے ہیں۔

’’والد ماجد کو اپنے گاؤں کوٹ قاضی محمد جان میں مخالفوں نے قریباً تیرہ برس تک سخت تکالیف پہنچائیں۔ مقاطعہ کئے رکھا۔ نقب زنی بھی کرا دی گئی مگر آپ نے استقامت سے

مقابلہ کیا اور سب کام کاج چھوڑ کر اپنا سارا وقت (دعوت الی اللہ) میں صرف کرنا آپ نے اپنا معمول بنا رکھا تھا‘‘۔ (رفقاء احمد: جلد:۶:ص:۳۲)

بیعت کے ساتھ ہی اللہ کی طرف سے امتحان

حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب خود فرماتے ہیں۔

’’اس عاجز نے آپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ناقل) کے دست حق پرست پر بیعت کی تو ایک لمبی دعا کے بعد اسی وقت آپ نے فرمایا تھا کہ قاضی صاحب آپ کو ایک سخت ابتلاء پیش آنے والا ہے چنانچہ اس پیشگوئی کے بعد اس عاجز نے کئی اپنے عزیز دوستوں کو اس سے اطلاع بھی دے دی کہ حضور نے میری نسبت اور میرے حق میں ایک ابتلائی حالت کی خبر دی تھی۔ اب اس کے بعد جس طرح پر وہ پیشگوئی پوری ہوئی وہ وقوعہ بعینہٖ عرض کرتا ہوں کہ میں حضرت اقدس سے روانہ ہو کر ابھی راستہ میں ہی تھا کہ مجھے خبر ملی کہ میری اہلیہ بعارضہ درد گردہ وقولنج وقے مفرط سخت بیمار ہے جب میں گھر پہنچا اور دیکھا تو واقع میں ایک نازک حالت طاری تھی اور عجیب تر یہ کہ شروع بیماری وہی رات تھی جس کی شام کو حضور نے اس ابتلاء سے خبر دی تھی۔ شدت درد کا یہ حال تھا کہ جان ہر دم ڈوبتی جاتی تھی اور بے تابی ایسی تھی کہ باوجود کثیر الحیاء ہونے کے مارے درد کے بے اختیار ان کی چیخیں نکلتی تھیں اور گلی کوچے تک آواز پہنچتی تھی اور ایسی نازک اور دردناک حالت تھی کہ اجنبی لوگوں کو بھی وہ حالت دیکھ کر رحم آتا تھا۔ شدت مرض تخمیناً تین ماہ تک رہی۔ اس قدر مدت میں کھانے کا نام تک نہ تھا صرف پانی پیتیں اور قے کر دیتیں۔ دن رات میں پچاس ساٹھ مرتبہ متواتر قے ہوتی۔ پھر درد قدرے کم ہوا مگر نادان طبیبوں کے بار بار فصد لینے سے ہزال مفرط کی مرض مستقل طور پر دامن گیر ہوگئی۔ ہر وقت جاں بلب رہتیں۔ دس گیارہ دفعہ تو مرنے تک پہنچ کر بچوں اور عزیز اقرباء کو پورے طور پر الوداعی غم والم سے رولایا۔ غرض گیارہ مہینے تک طرح طرح کے دکھوں کے تختہ مشق رہ کر آخر کشادہ پیشانی بہوش تمام کلمہ شریف پڑھ کر ۲۸ برس کی عمر میں سفر جاودانی

اختیار کیا......اور اس حادثہ جانکاہ کے درمیان ایک شیر خوار بچہ رحمت اللہ نام بھی دودھ نہ ملنے کے سبب سے بھوکا پیاسا راہی ملک بقا ہوا۔

ابھی یہ زخم تازہ ہی تھا کہ عاجز کے دو بڑے بیٹے عبدالرحیم وفیض رحیم تپ محرقہ سے صاحب فراش ہوئے۔فیض رحیم کو تو ابھی گیارہ دن پورے نہ ہونے پائے کہ اس کا پیالہ عمر پورا ہو گیا اور سات سالہ عمر میں ہی داعی اجل کو لبیک کہہ کر جلدی سے اپنی پیاری ماں کو جا ملا اور عبدالرحیم تپ محرقہ اور سرسام سے برابر دو ڈھائی مہینے بے ہوش میت کی طرح پڑا رہا۔سب طبیب لاعلاج سمجھ چکے کوئی نہ کہتا کہ یہ بچے گا لیکن چونکہ زندگی کے دن باقی تھے بوڑھے باپ کی مضطربانہ دعائیں خدا نے سن لیں اور محض اس کے فضل سے صحیح سلامت بچ نکلا۔اگرچہ پٹھوں میں کمزوری اور زبان میں لکنت ابھی باقی ہے۔

یہ حوادث جانکاہ تو ایک طرف ادھر مخالفوں نے اور بھی شور مچا دیا تھا۔آبروریزی اور طرح طرح کے مالی نقصانوں کی کوششوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔غریب خانہ میں نقب زنی کا معاملہ بھی ہوا۔اب تمام مصیبتوں میں یکجائی طور پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ عاجز راقم کس قدر بلیّہ دل دوز سینہ سوز میں مبتلا رہا اور یہ سب الٰہی آفات و مصائب کا ظہور ہوا جس کی حضور نے پہلے سے ہی مجمل طور پر خبر کر دی تھی‘‘۔

(رفقاء احمد: جلد ۶: ص:۱۱، ۱۲)

پس جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی روحانی ترقیات کے لئے ابتلاؤں کو بطور زینہ رکھا ہے اس کے عین مطابق حضرت قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ابتلاؤں میں گزار کر آپ کے ایمان کو پختہ بنا دیا۔اور چونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے قبل از وقت ہی ابتلاؤں کے آنے کی خبر دے دی تھی اس لئے ایک طرف دکھوں کی تکلیف اور دوسری اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی خوشی ۔ایک عجیب کیفیت تھی جس میں حضرت قاضی صاحب ایک لمبا عرصہ تک صبر و حوصلہ کے ساتھ رہے۔

حضرت مولوی عبداللہ بوتالوی صاحب

نام: حضرت عبداللہ بوتالوی صاحب **والد کا نام:** مولوی محمد دین صاحب
پیدائش: ۲۰ مئی ۱۸۸۱ء۔ بمقام جھنڈا سنگھ والا ضلع گوجرانوالہ
قوم: ریحان راجپوت **بیعت:** ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء
اولاد: ۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)
۲۔ حافظ قدرت اللہ صاحب (مبلغ لندن۔ انڈونیشیا وہالینڈ)
۳۔ عنایت اللہ صاحب سلیم (اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اریگیشن سیکرٹریٹ لاہور) ۴۔ امۃ الحمید بیگم صاحبہ اہلیہ خانصاحب قاضی محمد رشید صاحب (ریٹائرڈ آرڈیننس آفیسر و سابق وکیل المال تحریک جدید) ۵۔ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری
وفات: ۳ مئی ۱۹۵۲ء بروز ہفتہ بعمر ۷۱ سال
آپ نے ۱۹۱۳ء میں وصیت کی تھی۔ بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ خاص میں آپ کی پہلی قبر ہے۔

بائیکاٹ

حضرت مولوی عبداللہ صاحب بوتالوی ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے۔ البتہ احمدیت سے متاثر ضرور ہو چکے تھے۔ اس امر کا علم جب گاؤں کے لوگوں کو ہوا تو انہوں نے کوٹ بھوانی داس گاؤں سے اہل حدیث مولوی احمد علی کو بلوایا۔ یہ ۱۹۰۱ء جنوری کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد آپ کو اس صداقت کے پہچان لینے اور اس کی تائید کرنے اور صداقت کے کھلے عام اقرار اور اظہار کرنے کے نتیجہ میں کن حالات سے گزرنا پڑا وہ ان کی اپنی زبانی

اس طرح پر ہیں۔فرماتے ہیں:۔

’’انہوں نے ایک جمعہ کے دن میری عدم موجودگی میں قریب کے ایک گاؤں کوٹ بھوانی داس سے ایک اہل حدیث مولوی احمد علی کو بلوایا اور گاؤں کے باہر کھلی جگہ میں کئی ایک دیہات کے لوگوں کو اکٹھا کر کے بھاری مجمع کے ساتھ مولوی مذکور سے جمعہ پڑھوایا۔ اثناء وعظ میں اس مولوی نے لوگوں کو علماء اسلام کا ایک مطبوعہ فتویٰ پڑھ کر سنایا اور اخیر پر مولویوں کی مہریں لگی ہوئی دکھلا کر کہا کہ دیکھو جس شخص پر اس قدر مولویوں نے کفر کا فتویٰ لگایا ہو وہ یا اس کی پیروی کرنے والا کب مسلمان ہوسکتا ہے۔ یہ کہہ کر لوگوں کو پیغام سلام کے ترک کرنے کی تاکید کی اور ہر طرح کے تعلقات قطع کر دینے کا فیصلہ سنا دیا۔ جب میں شام کو گاؤں میں واپس آیا تو میں نے سب لوگوں کے طور بدلے ہوئے دیکھے اور جن لوگوں کے ساتھ آباء واجداد سے ہمارے گہرے تعلقات رہ چکے تھے ان کی آنکھیں بھری ہوئی ملاحظہ کیں۔ ہمارا پانی بھرنے والے ماشکیوں کو پانی بھرنے سے روک دیا گیا اور ہر طرح کا بائیکاٹ کر کے تکلیف دینا چاہی۔ حتّٰی کہ ایک دن جب کہ میں کہیں باہر گیا ہوا تھا گاؤں کے چند معتبر اشخاص کا ایک مجمع ہمارے گھر پر آیا اور ہماری ڈیوڑھی میں بیٹھ کر اندر سے میری والدہ صاحبہ مرحومہ کو بلایا وہ دروازے کے نزدیک آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص جو ہم پر بہت امید رکھتا تھا یوں گویا ہوا۔ بے بے جی! آپ کے خاندان کا ہمیں بہت لحاظ ہے لیکن آپ کے بیٹے نے پرانے طریقے کو چھوڑ کے نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ وہ آپ کی بہت مانتا ہے۔ اس لئے ہم آپ کو کہتے ہیں کہ آپ اسے سمجھائیں اور اسے باز رکھیں۔ اس پر میری والدہ صاحبہ نے نہایت جرأت اور دلیری سے جواب دیا کہ اگر میرا بیٹا کوئی عیب کرے یا اس میں کوئی برائی پیدا ہوگئی ہو تو میں اس کو روک سکتی ہوں۔ لیکن مجھے اس کے عقیدے اور عمل میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔ اس لئے میں کیوں اس کو منع کروں۔ اب تو جدھر اس کا راستہ ہے اُدھر ہی ہمارا راستہ ہے۔ یہ کھرا کھرا جواب سن

کر وہ سب اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے اور یہ لفظ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ مائی تو بڑی پکی ہے۔

غرضیکہ اس کے بعد لوگوں کے مقاطعہ سے میرے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ گو ظاہری طور پر تو میرا وہ کوئی نقصان نہ کر سکے اور نہ ہی مجھے کوئی تکلیف دے سکے۔ لیکن دوستوں اور آشناؤں کا خشک اور روکھا سلوک میرے جذبات کو بہت ہی صدمہ پہنچانے کا موجب ہوا اور میں ہر وقت اسی سوچ بچار میں افسردہ خاطر رہتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ چنانچہ اسی افسردگی اور پژمردگی کی حالت میں سخت اداس ہو کر میں نے اپنے بڑے چچا مولوی احمد الدین صاحب کو جو بھیرہ ضلع شاہ پور میں مدرس تھے اور جو میرے خسر بھی تھے ایک خط لکھا اس میں میں نے چند پنجابی اشعار میں اپنے دردِ دل کا حال ظاہر کیا۔

جان بچاری کرماں ماری دکھاں دے منہ آئی
میں غم کھانواں غم مینوں کھاوے فرق نہ اس وچ کائی
روز ازل توں اللہ کولوں قسمت ایہو لکھائی
جمدیاں نال غماں دی گڑھتی دائی گھول پلائی
یارانے غم خوار تمامی چھوڑ گئے آشنائی
جنہوں بلانواں میری طرفوں جاندا کنڈ بھنوائی
میں ہرگز نال کسی دے ربّا کیتی نہیں برائی
پر اینویں جانی دشمن بن گئے رب دی بے پرواہی
جد کی تاج مبارک میرے کیتی سروں جدائی
تختوں لیہہ کے وختاں اندر عاجز جندڑی آئی

(رفقاء احمد: جلد: ۷ صفحہ: ۱۷۶ تا ۱۷۸)

گاؤں کو خیر باد

بوتالہ جو کہ آپ کا گاؤں تھا اس میں مخالفت تیز ہو جانے کی وجہ سے آپ کو اپنے گاؤں کو چھوڑنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے بھیرہ جا کر پٹواری کا امتحان پاس کیا اور وہیں ملازمت اختیار کر لی۔

(رفقاء احمد: جلد: ۷: ص: ۱۸۳)

اس طرح آپ نے اللہ کی راہ میں اپنے وطن، اپنی جائیداد، اپنے دوست، اپنے عزیز، اپنے غمخوار سب چھوڑ دیئے مگر اپنے خدا کا دامن ایسا پختہ طور پر پکڑ لیا کہ آخر دم تک نہایت وفاداری کے ساتھ اس سے چمٹے رہے۔

حضرت چوہدری برکت علی صاحب گڑھ شنکری

نام: چوہدری برکت علی صاحب

والد کا نام: چوہدری میراں بخش صاحب

پیدائش: ۸۷۔۱۸۸۶ء بمقام گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور

قوم: راجپوت

بیعت: ۱۹۰۲ء (آپ کا نام الحکم ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء میں بیعت کنندگان میں شائع ہوا)

ہجرت: ۱۹۰۴ء میں ہجرت کر کے مستقل طور پر قادیان آ گئے۔

وفات: ۷۔اپریل ۱۹۶۰ء بروز جمعرات بعمر ۷۳ سال ہوئی۔تدفین قطعہ خاص میں ہوئی۔

اولاد: آپ کے پانچ بچے بچیاں تھے۔

مجھے اپنی قوم کی پرواہ نہیں

حضرت چوہدری برکت علی صاحب اپنی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’’۱۹۰۲ء میں ایک دن میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم (ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مراد ہیں) سے عرض کیا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں آپ میری بیعت کا خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھ دیں۔ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ تمہاری راجپوتوں کی قوم بہت سخت ہے شاید وہ تمہیں روکیں اور تکالیف دے کر چاہیں کہ تم بیعت چھوڑ دو۔ میں نے اسی وقت کہا کہ مجھے اپنی قوم کی پرواہ نہیں اور نہ میں ان کی تکلیف دہی سے ڈرتا ہوں۔اگر وہ اس راہ میں مجھے جان سے بھی مار دیں تو میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔اس پر ڈاکٹر صاحب مرحوم نے میری بیعت کا خط لکھ دیا اور حضرت مولوی

عبدالکریم صاحب کے دستخط سے بیعت کی منظوری کی اطلاع ملی۔خط ملنے پر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔الحمدللہ۔ثم الحمدللہ‘‘۔ (رفقاءاحمد: جلد: ۷:صفحہ:۲۲۶، ۲۲۷)

راہ مولا میں گالیاں سننا

حضرت چوہدری برکت علی صاحب بیعت کرنے کے بعد پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت اور دستی بیعت کرنے کیلئے قادیان کی طرف روانہ ہوئے تو بٹالہ کا واقعہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

’’جب بٹالہ سٹیشن سے نکلا تو سڑک پر ایک چھوٹی سی مسجد نظر پڑی۔میں نے کہا کہ مسجد میں ہی رات کا بقیہ وقت گزار کر صبح قادیان کی طرف جانا چاہئے۔مسجد میں گئے ابھی تھوڑا وقت ہی ہوا تھا کہ ایک صاحب نے آ کر کہا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا میں مسافر ہوں۔ قادیان جانا ہے۔اس نے گالی دیتے ہوئے سختی سے کہا کہ خبیث مرزائی آ کر مسجد کو خراب کر جاتے ہیں صبح مسجد دھونی پڑے گی۔تم یہاں سے نکل جاؤ۔میں نے کہا میں تو کبھی یہاں آیا نہیں نہ کسی کو جانتا ہوں۔خدا کے گھر سے کیوں نکالتے ہو؟ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس پر وہ گالیاں دیتا اور سخت سست کہتا بڑبڑاتا ہوا چلا گیا میں صبح فجر کی نماز پہلے وقت پڑھ کر قادیان کے لئے روانہ ہوا اور یہ مسافت پیدل طے کی‘‘۔(رفقاءاحمد: جلد: ۷:صفحہ: ۲۲۷)

پس آپ کو بھی اللہ کی راہ میں گالیاں سننا پڑیں اس طرح عزت کی قربانی آپ نے بھی خدا کی راہ میں بشاشت سے پیش کی۔

گویا آپ زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

حضرت منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی

نام: حضرت منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی

پیدائش: ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء بمقام سیالکوٹ

بیعت: ۱۹۰۰ء **اولاد:** آپ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

وفات: ۱۰ جنوری ۱۹۵۰ء

اہم امور

آپ باقاعدہ تہجد گزار اور باقاعدگی سے پابند نماز و روزہ تھے۔ صاحب کشف و الہام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد محبت کرتے تھے۔ صادق و امین تھے۔ منشی صاحب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے پھوپھی زاد بھائی اور ان کے برادر نسبتی تھے۔

اظہار حق پر ایذادہی

حضرت منشی صاحب بچپن سے ہی بے باک اور مذہبی غیرت رکھنے والے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو قربانیاں پیش کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ آپ کے بچپن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے ملک صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''ناظرہ قرآن مجید پڑھ کر مشن سکول میں داخل ہوئے۔ چوتھی جماعت میں ایک پادری انجیل پڑھاتا تھا۔ آپ اس پر اعتراض کرتے جب وہ سوالات سے تنگ آ جاتا تو منشی صاحب کو مارتا...... پھر آپ امریکن مشن سکول میں داخل ہو گئے۔ وہاں چھٹی جماعت میں ایک ہی استاد آدھ گھنٹہ بائبل اور دو گھنٹہ انگریزی پڑھاتا تھا۔ آپ بائبل پر اعتراض کرتے جس سے انگریزی کا وقت بھی گزر جاتا۔ آخر پر استاد آپ کو پیٹتا اور کہتا کہ جب تک تم سکول میں ہو کوئی عیسائی نہیں ہوگا اور جب تک تمہیں سکول

سے نکلوا نہ دوں گا مجھے چین نہ آئے گا۔ایک روز اس نے ایسا مارا کہ آپ کا ہاتھ کا انگوٹھا سوج گیا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کو علم ہوا تو آپ نے سکول جانے سے منع کر دیا اور خود گھر پر فارسی پڑھانے لگے"۔ (رفقاء احمد: جلد: اوّل: صفحہ: ۱۷۷)

علاقہ ملکانہ میں دعوت الی اللہ اور قربانیاں

حضرت منشی محمد اسماعیل صاحب کو ۱۹۲۳ء میں ملکانہ کے علاقہ میں تحریک شدھی کے خطرناک اثرات کو دور کرنے کے سلسلہ میں خدمت کا موقع ملا۔ یہ عرصہ بہت ہی کٹھن اور مشکل حالات کا تھا۔ مگر آپ نے راہ خدا میں ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ آپ کی مساعی میں بہت برکت ڈالی۔ رفقاء احمد کے مصنف اختصاراً آپ کی مساعی اور قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"ارتداد ملکانہ کے وقت ۱۹۲۳ء میں آپ کو علاقہ اجمیر میں بھیجا گیا موضع دیوکھیڑہ تحصیل بیاور میں متعین ہوئے ......لوگ منشی صاحب کے مخالف ہو گئے ...... پہلے تو آپ کا کھانا پکانے پر کوئی راضی نہ ہوا لیکن پھر ایک مسلمان بڑھئی نے خود بخود ہی منظور کر لیا۔ پہلے دو تین دن آپ کو پتھریلی زمین پر سونا پڑا لیکن پھر کوئی شخص خود بخود ہی چارپائی دے گیا...... ان لوگوں کی حالت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک گاؤں میں آپ گئے تو السلام علیکم کہا ایک شخص نے گسّی ہاتھ میں پکڑ کر کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تیرا سر اُتار دوں۔ آپ اس کے قریب ہو گئے اور کہا کہ بے شک آپ ایسا ہی کر لیں جس سے متحیر ہو کر پیچھے ہو گیا۔ لیکن آپ کے علاج سے اس کے لڑکے کی آنکھیں شفایاب ہو گئیں وہ بہت معتقد ہو گیا اور اس نے معافی مانگ لی"۔ (رفقاء احمد: جلد اوّل: صفحہ: ۱۸۹، ۱۹۰)

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب

نام: حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب
والد کا نام: منشی محمد ابوالقاسم صاحب
قوم: کائستھ **پیدائش:** بمقام سراوہ ضلع میرٹھ یوپی
بیعت: ۱۸۹۰ء یا ۱۸۹۱ء بمقام لدھیانہ
وفات: یکم دسمبر ۱۹۳۰ء بروز سوموار بعمر تریسٹھ سال

اہم امور

آپ کا نام ۳۱۳ رفقاء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے درج فرمایا ہے۔ بہت سے مواقع پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کی توفیق پائی۔ بہت سے مقدمات اور مباحث میں حضور کے ساتھ رہے۔

رشتے ختم

حضرت منشی صاحب کو سلسلہ حقہ میں داخل ہونے کے بعد بہت سی تکالیف اور مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر الحمدللہ کہ آپ کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ اور مردانہ واران کا مقابلہ کیا۔

اس ضمن میں ایک قربانی آپ کے عزیز واقارب کا آپ سے دُور ہو جانا تھا۔ آپ کے بچوں کی شادیوں کے سلسلہ میں تکلیف دہ حالات پیدا ہو گئے چنانچہ آپ کی سوانح میں لکھا ہے کہ:

''مولوی محبّ الرحمٰن (جو کہ منشی صاحب کے صاحبزادے ہیں) کی شادی ان کے ماموں کے ہاں ہوئی تھی یہ سوال اٹھا کہ لڑکا اور اس کے والد احمدی ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اس لئے یہ رشتہ قائم نہیں رہنا چاہئے لیکن لڑکی کے والد نے اس بات کی طرف التفات نہ کیا اور

شادی ہوگئی۔مولوی صاحب اوران کے دو برادران کی شادیوں کے بعد جماعت احمدیہ کے خلاف مولویوں کا شور بڑھ جانے کی وجہ سے بعض دیگر بھائیوں کے جو رشتے برادری میں طے ہو چکے تھے ٹوٹ گئے۔برادری نے خود قطع تعلق کیا‘‘۔

(رفقاءاحمد: جلد: دہم: صفحہ: ۲۸۷، ۲۸۸)

آپ نے ان تمام قسم کے مصائب و تکالیف کو برداشت کیا اور اس شعر کے مصداق ہو گئے۔

سخت جاں ہیں ہم کسی کے بغض کی پروا نہیں
دل قوی رکھتے ہیں ہم دردوں کی ہے ہم کو سہار

حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب یادگیری

نام: حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب
والد کا نام: شیخ عبداللطیف صاحب
پیدائش: ۱۲۵۸ھ بمطابق ۱۸۴۲ء بمقام یادگیر ضلع گلبرگہ ریاست حیدرآباد دکن
بیعت: اندازاً ۱۹۰۰ء
اولاد: آپ کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔
وفات: آپ حج پر گئے ہوئے تھے۔ بیمار ہو گئے اور مدینہ منورہ میں ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بعمر ایک سو تین (۱۰۳) سال وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ قادیان میں آپ کا کتبہ لگایا گیا ہے۔

اہم امور

آپ صاحب وحی والہام بزرگ تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت آپ کا نمایاں وصف تھا۔ غرباء پروری میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ قرآن مجید سے عشق تھا۔ اپنے علاقہ یادگیر میں مدرسہ احمدیہ کے ساتھ ایک مدرسہ حفاظ قرآن جاری کیا اس کے جملہ اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے۔ دعوت الی اللہ ہر سطح کے لوگوں میں آپ نے کی۔ رفاہ عامہ کے کام کرتے ہی رہتے تھے۔ یادگیر میں آپ نے انگریزی اور یونانی ہر دو قسم کے دواخانہ جاری کر رکھے تھے اور جملہ اخراجات آپ خود برداشت کرتے تھے۔ بہت سی کتب طب، عربی صرف ونحو، دینیات اور عقائد پر تصنیف کروا کر اپنے خرچ پر انہیں شائع کیا ایک مرتبہ گاؤں میں لوگوں کیلئے پانی کی دقت پیدا ہوگئی تو اپنے باغ سے

انجن اکھڑوا کر بستی کے باہر تالاب پر لگوا دیا اور تین ماہ تک اپنے خرچ پر اسے چلاتے رہے اور لوگوں کو پانی مہیا کرتے رہے۔ سرکاری مدرسہ یادگیر کو بہت سی زمین عطیہ کے طور پر دی۔ آپ میں حد درجہ سادگی اور انکساری تھی۔ آپ نے یادگیر میں بہت ہی عمدہ قسم کی احمدیہ لائبریری بھی قائم کی تھی۔ احمدیہ قبرستان کے لئے کئی ایکڑ زمین عطیہ دی۔ حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

مصائب کی آندھیاں

ملک صلاح الدین صاحب آپ پر احمدی ہونے کی وجہ سے آنے والی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''سیٹھ صاحب پر مصائب کی تیز آندھیاں چلیں اور مخالفین مخالفت میں سرگرم رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام شرور و آفات سے اپنی حفظ و امان میں رکھا''۔

(رفقاءِ احمد: جلد: اوّل: صفحہ: ۲۱۲)

ان مصائب کی تفصیل کچھ اس طرح پر ہے کہ

آپ کا حیدر آباد دکن میں بہت وسیع کاروبار تھا۔ اس زمانہ میں آپ کی تجارت بیس بائیس لاکھ تک جا پہنچی تھی۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو روحانی ترقیات دینے کیلئے سخت آزمائشوں میں سے گزارتا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ہوا۔

آپ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں رنگون گئے۔ وہاں کے لئے جو سٹاک آپ ساتھ لے کر گئے وہ وہاں کے مناسب حال نہ تھا اس لئے سارا سرمایہ ڈوب گیا اور شدید نقصان ہوا۔ مگر آپ نے اس ابتلاء میں شاندار صبر کا نمونہ دکھایا اور آستانہ الٰہی پر جھکے رہے۔

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلاء ہو
راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہاماً آپ کو بتایا گیا کہ آپ کو برکت دی جائے گی۔ دوسری طرف سے مخالفین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ سیٹھ حسن نے جھوٹے سلسلہ کی خاطر مال و دولت خرچ کی اس لئے ان کا گھر برباد ہو گیا۔ شیخ حسن اب ختم ہوا۔

آپ تک جب یہ باتیں پہنچیں تو ایک روز جمعہ کے بعد آپ نے بیت الذکر یادگیر میں کہا۔

''میں دوستوں کو کچھ سنانا چاہتا ہوں۔ لوگ میرے خسارہ کو دیکھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں میں...... (بیت الذکر) میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ تجارت کی حالت پہلے جیسی نہ ہو جائے''۔

(رفقاء احمد: جلد اوّل: صفحہ: ۲۱۵)

وہ تو فرہاد تھا جو تاب ستم لا نہ سکا
آؤ اس شہر ستم میں ہمیں زندہ دیکھو

''غرض یہ حالت ابتلاء قریباً بارہ سال تک جاری رہی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت تک وفات نہ دی جب تک کہ آپ کے تمام قرضے اور آپ پر دائر تمام مقدمات ختم نہ ہو گئے۔ کاروبار کی حالت بھی بہت اچھی ہو گئی اور آپ نے اپنے ورثاء کے لئے کافی جائیداد ترکہ میں چھوڑی''۔ (رفقاء احمد: جلد اوّل: صفحہ: ۲۱۴، ۲۱۶)

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حرف آخر

ہر دور میں مامورین من اللہ کے آنے کے ساتھ راہ خدا میں قربانیوں کی نئی تاریخ رقم ہوتی ہے۔ مولا کریم اس پاک وجود کے ساتھ پاک وجودوں کو اسی طرح جمع کر دیتا ہے جیسا کہ مقناطیس کے گرد لوہے کے ذرات کو اور وہ خدا کے بندے راہ مولا میں ہر قسم کی قربانیاں پیش کرتے ہیں مگر اُس مامور من اللہ کا دامن پکڑے رہتے ہیں۔ زیر نظر رسالہ میں اُن چند مخلصین مردان خدا کی اُن قربانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو متاع ایمان کی حفاظت میں انہوں نے پیش کی ہیں۔ مولا کریم نے اُن کی قربانیوں کو قبول فرمایا اور روحانی اموال سے متمتع کر دیا۔ دنیا میں انہیں اپنی رضا کی جنتوں سے نواز دیا اور دین و دنیا کی نعماء سے متمتع فرما دیا۔

مولا کریم ان مردان خدا کی ان قربانیوں کی برکات ان کی نسلوں میں جاری و ساری رکھے اور ہمیشہ اس سلسلہ حقہ کو ایسے مخلصین عطا فرماتا رہے جو کہ اسلاف کی ان قربانیوں کا زندہ نمونہ بنے رہیں اور ان کے ورد زبان یہ شعر ہو۔

دے چکے دل اب تن خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا